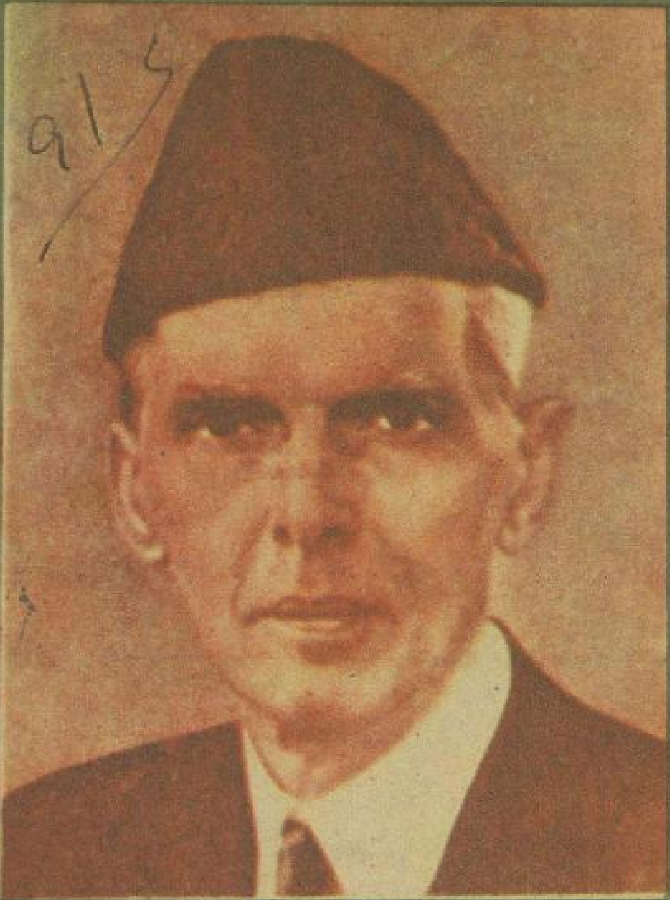

معاشرتی عُلوم

چوتھی جماعت کے لیے

پنجاب ایجوکیشنل پریس لاہور برائے پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ ط

(سورۃ الانعام آیت ۱۶۵)

ترجمہ

اور وہ (خُدا) ایسا ہے جس نے تمھیں زمین میں صاحبِ اختیار بنایا اور ایک کا دُوسرے پر رُتبہ بڑھایا تاکہ تمھاری آزمائش کرے ان نعمتوں کے بارے میں جو تمھیں عطا کی ہیں۔

مُصنّفین

ڈاکٹر اظہر حمید ◎ ڈاکٹر مس فیروزہ یاسمین

قاضی سجاد احمد ◎ پروفیسر بشیر الدّین ملک

مدیران: ڈاکٹر مس فیروزہ یاسمین
پروفیسر بشیر الدّین ملک

ناشر: ملک محمّد زاہد برائے پنجاب ایجوکیشنل پریس ۳۵ نابھہ روڈ، لاہور۔

طابع: اُمید پرنٹرز۔ الجدہ پریس۔ لاہور

Muhammad Ishaq Jamilpur
Assistant Educational Adviser
Ministry of Education
Government of Pakistan
Islamabad

میرا نام ---------- ہے
اب مَیں چوتھی جماعت میں ہُوں ۔
یہ میری مُعاشرتی عُلوم کی کتاب ہے ۔
آیئے دیکھیں اِس کِتاب میں
کون سا سبق ---------- کِس صفحے پر ہے

نمبر شمار		صفحہ
۱	ہمارا صُوبہ پنجاب (محلِ وقوع اور سطح)	۳
۲	صُوبہ پنجاب کی تاریخ	۱۰
۳	آبادی اور پیشے	۱۹
۴	آب و ہوا	۲۴
۵	جنگلات اور چراگاہیں	۳۰
۶	آب پاشی	۴۰
۷	زرعی پیداوار	۴۵
۸	ہمارے مویشی	۵۱
۹	معدنیات	۵۸
۱۰	کارخانے اور گھریلو صنعتیں	۶۲
۱۱	ذرائع آمد و رفت	۷۰
۱۲	خبریں پہنچانے کے وسائل	۷۶
۱۳	صُوبے کا اِنتظام	۷۸

Text Book Production LIBRARY 4012

نمبر شمار		صفحہ
۱۴	رفاہی ادارے	۸۴
۱۵	حضرت محمّد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم	۹۱
۱۶	حضرت ابُوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۹۴
۱۷	حضرت عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۹۶
۱۸	حضرت عُثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۹۸
۱۹	حضرت علی علیہ السّلام	۱۰۰
۲۰	قائدِ اعظم محمّد علی جناحؒ	۱۰۲
۲۱	ڈاکٹر محمّد اقبالؒ	۱۰۴
۲۲	میجر عزیز بھٹی (شہید)	۱۰۵

ہمارا صُوبہ پنجاب

محلِ وقوع اور سطح

ہمارے وطن، پاکستان میں صُوبہ پنجاب، صوبہ سندھ، صوبہ بلوچستان، شمال مغربی سرحدی صُوبہ اور قبائلی عِلاقے شامِل ہیں۔

محلِ وقوع ہمارے صُوبے کے شمال مشرق میں جمّوں وکشمیر کا علاقہ ہے۔ اِس کا کچُھ حِصّہ تو آزاد ہے جو آزاد جمّوں وکشمیر کہلاتا ہے، باقی حِصّے پر ابھی بھارت کا قبضہ ہے۔ مغرب میں صُوبہ سرحد اور صُوبہ بلوچستان ہیں۔ جنُوب میں صُوبہ پنجاب کی سرحد، صُوبہ سندھ اور بھارت کے صُوبہ راجستھان سے مِلتی ہے۔ ہمارے صُوبے کی مشرقی سرحد کے ساتھ بھارت کا صُوبہ پنجاب واقع ہے۔

سطحِ زمین صُوبہ پنجاب کا زیادہ تر حِصّہ کم ڈھلان والا میدانی عِلاقہ ہے۔ دریاؤں کے بہاؤ سے پتا چلتا ہے کہ اِس ڈھلان کا رُخ شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف ہے۔ یہاں کی زمین ہموار ہے اور نرم مٹی سے بنی ہُوئی ہے۔ شمال مغرب میں کچھ حِصّہ بلند سطح کا ہے، جسے "سطحِ مُرتفع پوٹھوہار" کہتے ہیں۔ اِس کے شمال اور مغرب میں کچُھ بلند پہاڑی علاقے بھی ہمارے صُوبے میں شامِل ہیں۔

زمین کی سطح تین قِسم کی ہوتی ہے:- میدان۔ سطحِ مُرتفع اور پہاڑ۔ ا۔ جب دُور دُور تک سطح ایک جیسی ہو اور ڈھلان بہُت کم ہو تو زمین کے ایسے بڑے حِصّے کو "میدان" کہتے ہیں۔ زمین کے کچُھ حِصّے

میدان کے مقابلہ میں ذرا اُونچے ہوتے ہیں ۔ اِن کی سطح ہموار نہیں ہوتی بلکہ اِن میں کم اُونچی ڈھلانیں ہوتی ہیں ۔ زمین کے ایسے حِصّوں کو "سطحِ مُرتفع" کہتے ہیں ۔

پتھریلی اور بلند قِسم کی سطحِ زمین "پہاڑ" کہلاتی ہے ۔ پہاڑ بہُت اُونچے اور تیز ڈھلانوں والے عِلاقے ہوتے ہیں ۔ دو پہاڑوں کے درمیان نشیبی عِلاقہ "وادی" کہلاتا ہے ۔

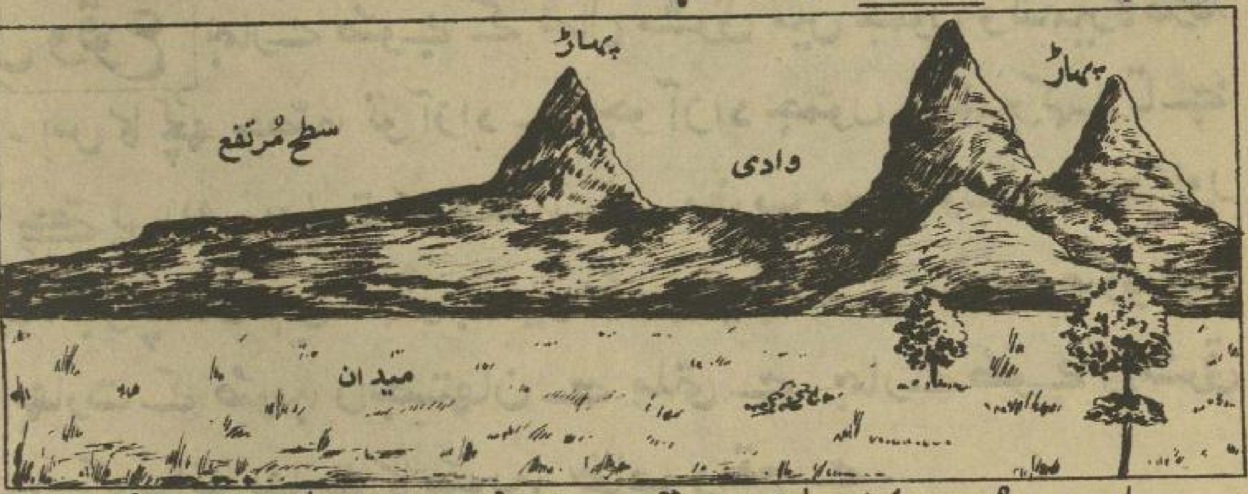

ہمارے صُوبے کا زیادہ عِلاقہ میدانی ہے ۔ پہاڑی عِلاقہ کم ہے ۔ باقی حِصّہ سطحِ مُرتفع ہے ۔ اِس طرح صُوبہ پنجاب کے سطح کے لحاظ سے تین حِصّے ہیں :-

۱۔ پہاڑی حِصّہ : (ا) شمالی پہاڑی عِلاقہ (ب) جنوب مغربی پہاڑی علاقہ ۔

۲۔ سطحِ مُرتفع پوٹھوہار ۳۔ دریائے سندھ کا میدان

پہاڑی حصّہ

۱۔ شمالی پہاڑی علاقہ : صُوبے کے شمالی حصّے میں ہمالیہ پہاڑ کے کچھ سِلسلے ہیں ۔ یہ مَری کے پہاڑ کہلاتے ہیں ۔ اِن کی سطح سمندر سے بلندی دو سے تین ہزار میٹر ہے ۔ اِن میں سے ضِلع راولپنڈی کی

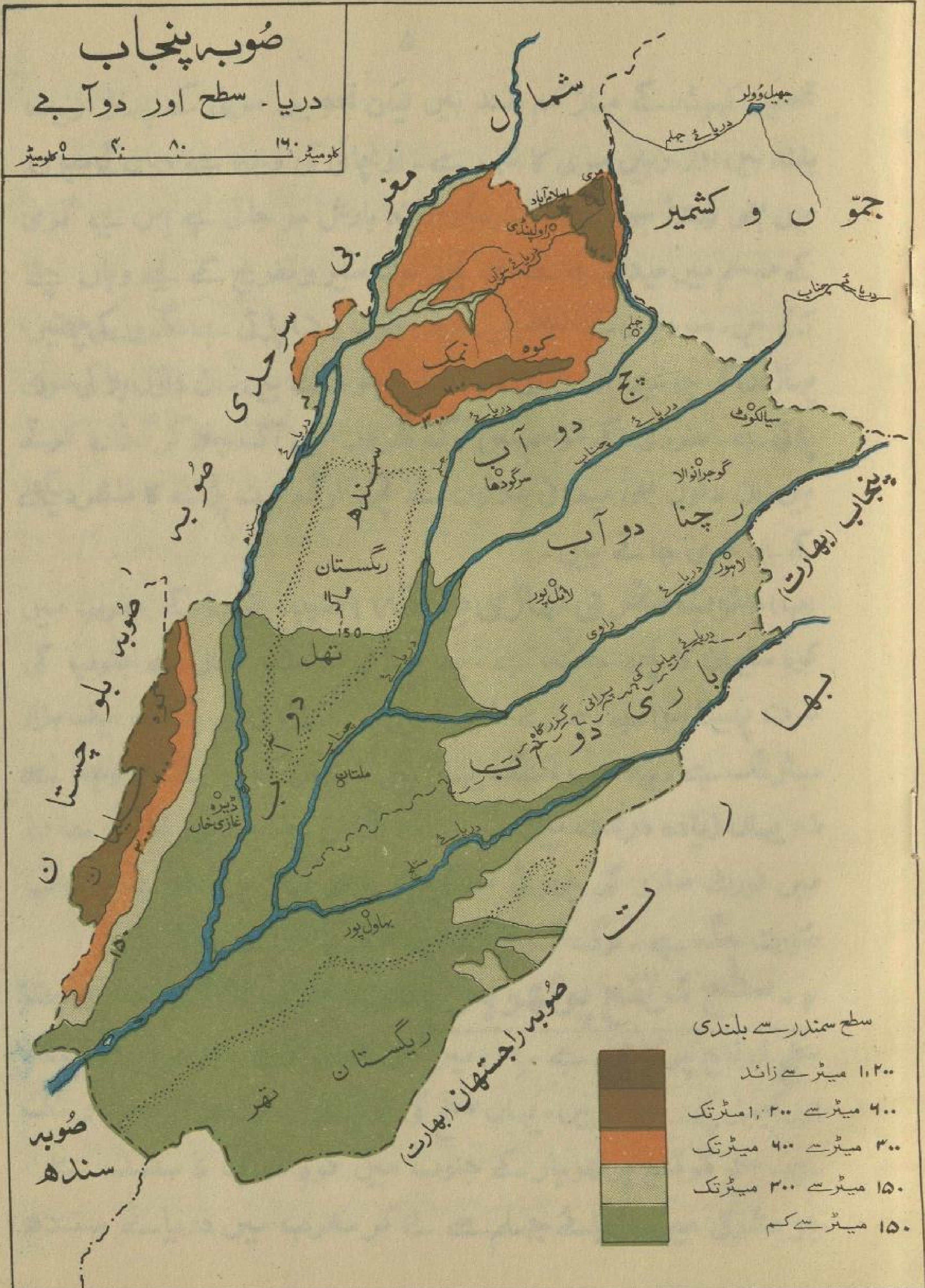

صوبہ پنجاب
دریا۔ سطح اور دوآبے
کلومیٹر ۱۶۰ ۸۰ ۴۰ ۰ کلومیٹر
شمال مغربی سرحدی صوبہ
جموں و کشمیر
جھیل وولر
دریائے جہلم
دریائے چناب
مری
اسلام آباد
راولپنڈی
دریائے سواں
کوہ نمک
جہلم
چج دوآب
سرگودھا
سیالکوٹ
گوجرانوالا
رچنا دوآب
سندھ ساگر دوآب
ریگستان تھل
لاہور
لائل پور
راوی
دریائے بیاس
باری دوآب
ملتان
ڈیرہ غازی خان
صوبہ بلوچستان
بہاولپور
بھارت
پنجاب (بھارت)
صوبہ راجستھان (بھارت)
ریگستان تھر
صوبہ سندھ
سطح سمندر سے بلندی
۱،۲۰۰ میٹر سے زائد
۶۰۰ میٹر سے ۱،۲۰۰ میٹر تک
۳۰۰ میٹر سے ۶۰۰ میٹر تک
۱۵۰ میٹر سے ۳۰۰ میٹر تک
۱۵۰ میٹر سے کم

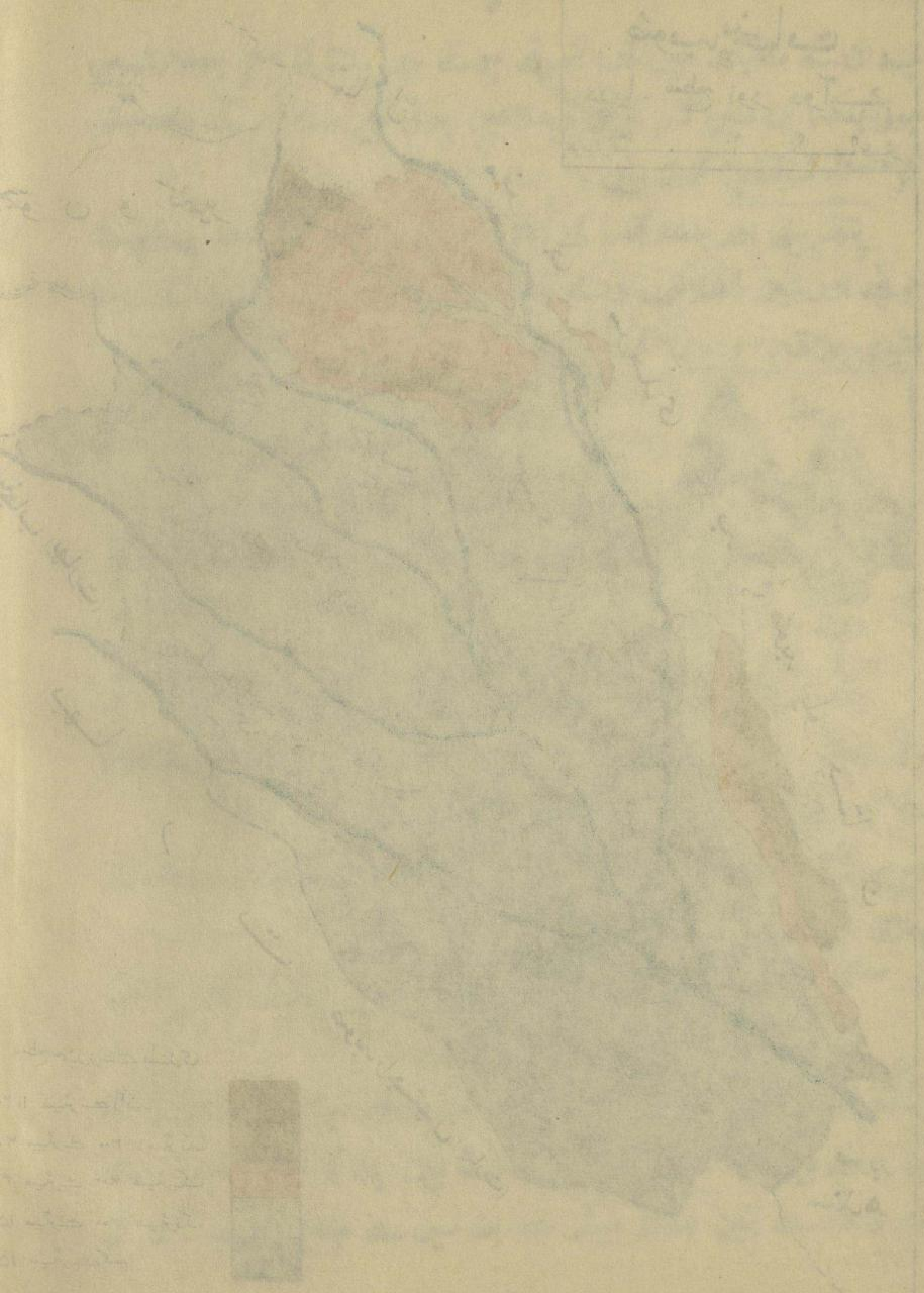

تحصیل کہوٹہ کے پہاڑ کم بلند ہیں لیکن تحصیل مری کے پہاڑ زیادہ بلند ہیں اور وہیں مری کا شہر ہے۔ اُونچائی کی وجہ سے وہاں گرمیوں میں بھی ٹھنڈ ہوتی ہے۔ تقریباً روزانہ بارش ہو جاتی ہے اِس لیے گرمی کے موسم میں میدانی عِلاقے سے کچھ لوگ سیر و تفریح کے لیے وہاں چلے آتے ہیں۔ سردیوں کے موسم میں وہاں خُوب برف پڑتی ہے۔ گھروں کی چھتیں، پہاڑوں کی چوٹیاں اور زمین سب سفید ہو جاتے ہیں۔ ان دنوں بلا کی سردی پڑتی ہے۔ سردی کے موسم میں لوگ گھروں میں آگ جلا کر گذارہ کرتے ہیں۔ اِن دنوں بھی میدانی عِلاقوں سے کچھ لوگ برف پڑنے کا منظر دیکھنے کے لیے مَری جاتے ہیں۔

(ب) **جنوب مغربی پہاڑی عِلاقہ:** صُوبہ پنجاب کے مغرب میں کوہِ سلیمان کا کچھ حِصّہ ہے۔ یہ پہاڑی سِلسلہ، شمال سے جنوب کی طرف پھیلا ہُوا ہے۔ ہمارے صُوبے میں اِن پہاڑوں کی بلندی ایک ہزار میٹر تک ہے۔ یہ سب خُشک پہاڑ ہیں۔ بارش کم ہونے کی وجہ سے نہ یہاں زیادہ درخت ہیں، نہ زیادہ گھاس۔ ضِلع ڈیرہ غازی خاں میں فورٹ منرو کی چھوٹی سی آبادی اِسی پہاڑ پر واقع ہے۔ یہ خُوب صُورت جگہ ہے۔ لوگ تفریح کے لیے اکثر یہاں آتے ہیں۔

۲۔ سطح مُرتفع پوٹھوہار صُوبہ پنجاب کا شمال مغربی حِصّہ سطح مُرتفع پر مُشتمل ہے۔ اِس میں تین شمالی ضلع، جہلم، راولپنڈی اور کیمبل پور شامِل ہیں۔ یہاں سطح کی اُونچائی ۳۰۰ سے ۴۰۰ میٹر تک ہے۔ سطح مُرتفع پوٹھوہار کے جنوب میں کوہِ نمک کا سلسلہ ہے جو مشرق میں دریائے جہلم سے لے کر مغرب میں دریائے سِندھ

تک پھیلا ہُوا ہے۔

پوٹھوہار کے عِلاقے میں سطحِ زمین کہیں تو نرم مٹّی سے بنی ہے اور کہیں سخت پتھریلی چٹانیں ہیں۔ کہیں چھوٹی پہاڑیاں ہیں اور کہیں پانی کی کاٹ سے کھَڈ بن گئے ہیں اور زمین ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔ اِس وجہ سے یہاں کی زمین کاشت کے لیے زیادہ اچّھی نہیں ہے، البتّہ یہاں پہاڑی علاقوں میں معدنیات مِلتی ہیں، جو ہمارے کام آتی ہیں۔ اِس علاقے کے مشہور دریا کا نام دریائے سواں ہے جو کہوٹہ اور مری کی پہاڑیوں سے نِکلتا ہے اور جنُوب مغرب کی طرف بہتا ہُوا دریائے سِندھ میں جا گرتا ہے۔

۳۔ میدانی عِلاقہ صُوبہ پنجاب کا بڑا حِصّہ ایک ہموار میدان ہے۔ اِس کی ڈھلان بہُت ہی کم ہے، البتّہ اس میدان کا شمالی حصّہ، جنُوبی حِصّے سے کچُھ بلند ہے۔ پنجاب کا یہ میدان، دریاؤں کی لائی ہُوئی نرم مٹّی سے بنا ہے۔ ہزاروں سال سے دریا اپنے ساتھ یہ مٹی بہا کر لاتے رہے ہیں۔ دریا میں سیلاب آتا ہے تو اِس کا پانی دُور دُور تک پھیل جاتا ہے۔ اِس پانی میں جو مٹّی مِلی ہوتی ہے، وُہ زمین پر بیٹھ جاتی ہے۔ اِس طرح یہ میدان بن گیا ہے۔

نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ اِس میدان میں بہنے والے دریا شمال میں کشمیر کے پہاڑوں سے نِکل کر جنُوب مغربی رُخ پر بہتے ہیں۔ پنجاب کے تمام دریاؤں کے پاٹ چوڑے اور کم گہرے ہیں۔ ڈھلان کم ہونے کی وجہ سے دریا، میدانی علاقے میں آہستہ آہستہ بل کھاتے ہُوئے بہتے ہیں۔ البتّہ گرمیوں میں ایک تو پہاڑوں پر برف پِگھلنے سے اور دُوسرے برسات کے دِنوں میں زیادہ بارش ہونے سے اِتنا پانی آ جاتا ہے کِہ

کِناروں سے اکثر باہر نِکل آتا ہے۔ جس جگہ سیلاب کا یہ پانی پہنچتا ہے، اُسے "بیٹ" یا "کھادر" کہتے ہیں۔ دریائی کِناروں سے دُور زمین آہستہ آہستہ اُونچی ہوتی جاتی ہے۔ اِس اُونچے علاقے کو "بار" کہتے ہیں۔ "نیلی بار" اور "ساندل بار" ایسے ہی عِلاقے ہیں۔ دو دریاؤں کے درمیانی علاقے کو "دوآبہ" کہتے ہیں۔ صُوبہ پنجاب میں کئی دوآبے ہیں۔

"باری دوآب" کے عِلاقے کے ایک طرف دریائے راوی بہتا ہے اور دُوسری طرف دریائے بیاس اور ستلُج ہیں۔ دریائے راوی اور دریائے چناب کے درمیان "رچنا دوآب" ہے۔ دریائے چناب اور دریائے جہلم کے درمیان "چج دوآب" ہے اور دریائے جہلم اور دریائے سِندھ کے درمیان "سندھ ساگر دوآب" ہے۔ یہ آخری دوآبہ بہُت وسیع اور ریتلا ہے؛ یہ عِلاقہ "تھل" بھی کہلاتا ہے۔

تھل کے عِلاقے میں دُور دُور تک ریت ہی ریت ہے۔ جن عِلاقوں میں نہریں پہُنچ گئی ہیں، وُہ آباد ہو رہے ہیں۔ زمین صاف کر کے وہاں کھیتی باڑی شروع کی گئی ہے اور نئے چک بسائے گئے ہیں۔

اِسی طرح بہاول پُور میں بھی دریائے ستلج سے ذرا فاصلے پر جنُوب مشرق کی طرف ایک ریگستان ہے، اسے "چولستان" کہتے ہیں، یہاں بھی بارش بہُت کم ہوتی ہے اور سبزہ نہیں ہوتا۔ دریائے سِندھ کے پار کا عِلاقہ "ڈیرہ جات" کہلاتا ہے۔ ڈیرہ غازی خاں کا ضِلع اِسی علاقے میں واقع ہے۔ یہاں کوہِ سلیمان سے نکلنے والی چھوٹی چھوٹی ندیاں اور نالے بہتے ہیں۔ اِن میں صِرف برسات کے موسم میں کچھ پانی آتا ہے۔

دریا پنجاب، دریاؤں کی سر زمین ہے۔ اِس کے دریا اِس صُوبے کے لیے

بہت اہم ہیں۔ اِن کا پانی زمینوں کو سیراب کرتا ہے۔

دریائے سندھ: دریائے سندھ، کوہِ ہمالیہ کے پار چین میں ایک جھیل سے نِکلتا ہے۔ یہ دریا شمال مغربی رُخ پر بہتا ہُوا کشمیر میں داخل ہوتا ہے، راستے میں ہمالیہ اور قراقرم کے پہاڑوں سے کئی ندی نالے اِس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ گلگت کے قریب دریا کا رُخ جنُوب مغرب کی جانب ہو جاتا ہے اور اٹک کے قریب مغرب سے دریائے کابل اِس میں آمِلتا ہے۔ اِس کے بعد یہ دریا پوٹھوہار کی سطحِ مُرتفع سے گزُر کر کالا باغ کے نزدیک میدانی عِلاقے میں داخل ہوجاتا ہے۔ یہاں ڈھلان کم ہو جانے کے سبب پانی آہستہ رفتار سے بہنے لگتا ہے، البتہ دریا کی گذرگاہ خوب چوڑی ہو جاتی ہے۔ اکثر جگہ اِس کی چوڑائی ۱۵ کلومیٹر سے ۲۰ کلو میٹر تک ہے۔ موسمِ سرما میں دریا میں بہاؤ کم ہوتا ہے۔ مِٹھن کوٹ کے نزدیک مشرق کے معاون دریاؤں کا پانی دریائے پنجند کے نام سے دریائے سندھ میں آمِلتا ہے۔ اب یہ دریا یہاں سے جنُوب مغرب کی طرف بہتا ہے اور صُوبہ سندھ سے گزُر کر ڈیلٹا بناتا ہُوا بحیرۂ عرب میں جا گِرتا ہے۔ دریائے سِندھ کی کُل لمبائی تقریباً ۲۷۰۰ کلومیٹر ہے۔

دریائے ستلج: دریائے ستلج، کوہِ ہمالیہ میں تبّت کی جھیل مانسرُور سے نِکلتا ہے اور دُور تک پہلے بھارتی عِلاقے میں بہتا ہے، پھر کچُھ دُور بھارت اور پاکستان کی سرحد بناتا ہے اور بالآخر سلیمانکی کے قریب ہمارے صُوبے میں داخل ہوتا ہے۔ یہاں یہ دریا مغربی رُخ پر بہتا ہے اور پنجند کے مقام پر دریائے چناب میں جا مِلتا ہے۔ اِس کی لمبائی تقریباً ۱۴۵۰ کلومیٹر ہے۔

دریائے راوی: دریائے راوی، کشمیر کے پہاڑوں سے نِکلتا ہے۔ یہ دریا

بھارت کے علاقے میں بہتا ہُوا، لاہور کے قریب ہمارے صُوبے میں داخل ہوتا ہے اور مغربی رُخ بہتا ہُوا پنجاب کے میدانی علاقے کو سیراب کرتا ہے۔ دریائے راوی میں دُوسرے دریاؤں کی نسبت کم پانی ہے۔سدھنائی سے ذرا آگے یہ دریا، دریائے چناب میں جا شامل ہوتا ہے۔ دریائے راوی کی کل لمبائی ۷۰۰ کلومیٹر ہے۔

دریائے چناب : دریائے چناب، جمّوں کے پہاڑوں سے گزُر کر مرالہ کے نزدیک ہمارے صُوبے میں داخل ہوتا ہے۔ دریائے چناب تقریباً ۱۱۰۰ کلومیٹر لمبا ہے۔ اِس دریا کا پاٹ چوڑا ہے۔ برسات کے دِنوں میں یہ دریا وسطی میدانی علاقے میں اپنی گزُرگاہ تبدیل کرتا رہتا ہے، اِس وجہ سے یہاں سیلاب آجاتا ہے اور کئی گاؤں تباہ ہو جاتے ہیں۔ تریموں کے نزدیک دریائے جہلم اِس میں شامِل ہو جاتا ہے اور ضِلع ملتان میں دریائے راوی اِس میں آمِلتا ہے۔ پھر پنجند کے مَقام پر پنجاب کے پانچوں دریا اکٹھّے ہو جاتے ہیں جہاں سے مٹھن کوٹ تک یہ پانی دریائے پنجند کے نام سے بہتا ہے اور آخر میں یہ سارا پانی دریائے سِندھ میں جا شامل ہوتا ہے۔

دریائے جہلم : دریائے جہلم، کشمیر کی وادی سے گزر کر ہمارے ضِلعے کی سرحد کے ساتھ بہتا ہُوا، منگلا کے قریب میدانی عِلاقے میں داخل ہوتا ہے۔ یہ دریا کچُھ دُور کوہِ نمک کے مشرقی جانب بہتا ہے اور پھر اِس کا رُخ جنُوب کی طرف ہو جاتا ہے۔ ضِلع جھنگ میں تریموں کے نزدیک یہ دریا، دریائے چناب سے جا مِلتا ہے۔ دریائے جہلم کی کُل لمبائی تقریباً ۷۲۵ کلو میٹر ہے۔

صُوبۂ پنجاب کی تاریخ

تیسری جماعت میں یہ بات بتائی جاچکی ہے کہ ہمارے مُلک میں مُسلمانوں کی آمد سے پہلے زیادہ تر ہندُو آباد تھے۔ ہندُو خُدا کو ایک نہیں مانتے، اُن کے مندروں میں بہُت سے بُت پڑے ہوتے ہیں جن کی وُہ پوجا کرتے، اُنھیں سجدہ کرتے اور اُنہیں سے دُعائیں مانگتے ہیں۔

جب مُسلمان اِس عِلاقے میں آئے تو ہندُوؤں نے مُسلمانوں کے ساتھ جنگیں کیں۔ اِن جنگوں میں ہندُو راجاؤں کو شکست ہوئی۔ مُسلمانوں نے یہاں آکر اِس علاقے کے لوگوں سے بہُت اچّھا سلوک کیا۔ ہر ایک کے جان و مال کی حفاظت کی۔ لوگوں کو بتایا کہ اللہ ایک ہے، اُس کے سامنے ہر ایک برابر ہے۔ جو لوگ اچّھا کام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن سے خُوش ہوتا ہے۔ یہاں کے رہنے والوں نے اسلام کی تعلیم سے متاثّر ہو کر مُسلمان ہونا شروع کر دیا۔ جو لوگ مُسلمان ہو جاتے، وُہ آپس میں بھائی بھائی بن جاتے۔ مُسلمان حُکمرانوں نے تمام غیر مُسلموں کو مُکمّل مذہبی آزادی دے رکھّی تھی، اِس کے باوجود ہندُو، مُسلمانوں کو اچّھا نہیں جانتے تھے۔

جب انگریزوں نے اِس علاقے پر حملہ کیا تو ہندُوؤں نے مُسلمانوں کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیا، اِس طرح انگریزوں نے اِن تمام علاقوں کو فتح کر لیا۔ ہندُوؤں نے انگریزوں کی شہ پر مُسلمانوں کو مزید پریشان کرنا شروع کر دیا۔

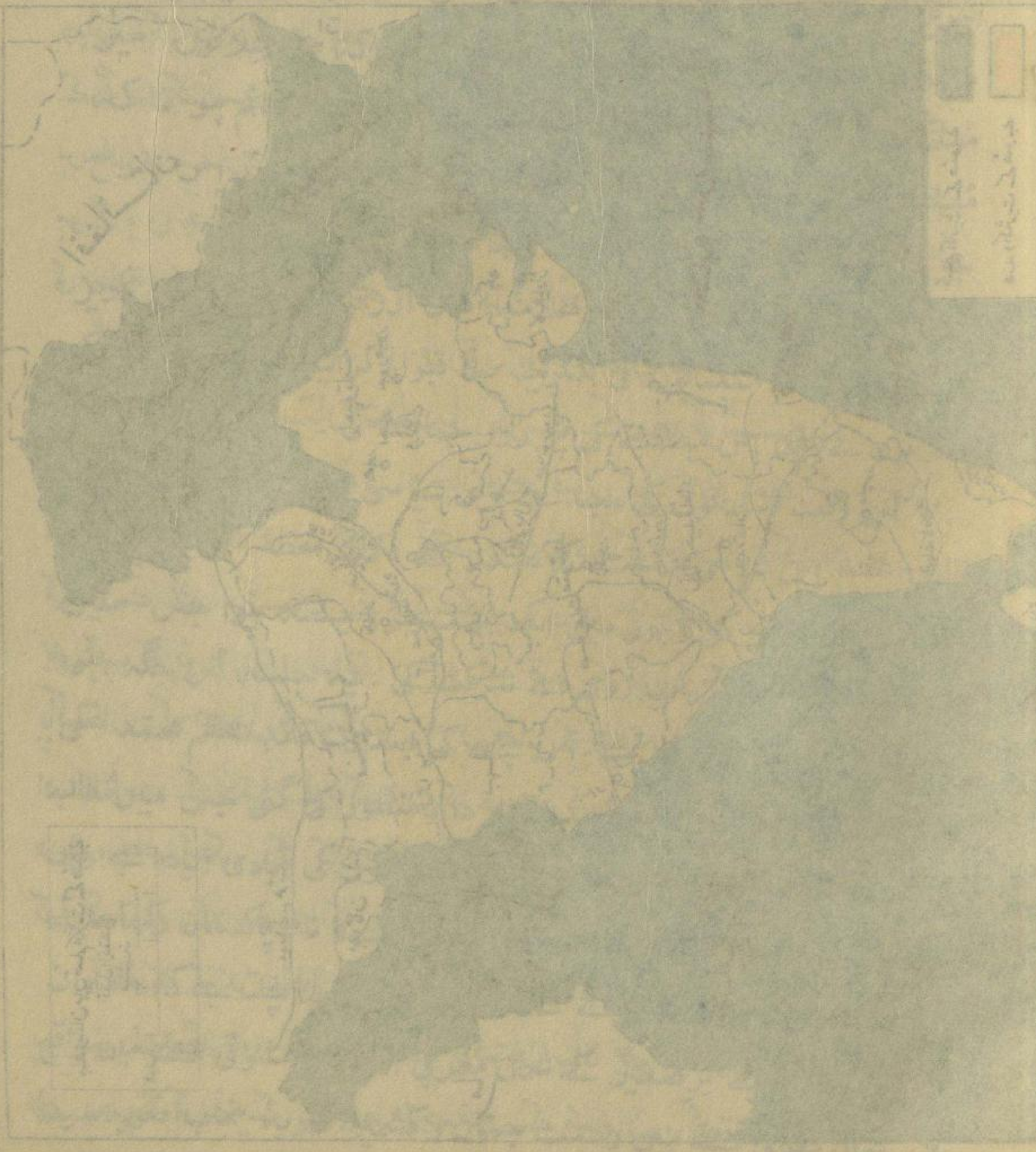

ہندوستان میں مسلم اکثریت کے صوبے
(قبل از تقسیم)
کلومیٹر
مسلم اکثریت کے صوبے
ہندو اکثریت کے صوبے
افغانستان
بلوچستان
کوئٹہ
سندھ
کراچی
بہاولپور
دہلی
راجپوتانہ
اجمیر
جودھپور
کچھ
کاٹھیاواڑ
نیپال
بھوٹان
آسام
بنگال
کلکتہ
برما
بہار
پٹنہ
الہ آباد
لکھنؤ
وسطی
ہند
صوبجات متوسط
ناگپور
نظام حیدرآباد
حیدرآباد
بمبئی
مدراس
میسور
بحیرہ عرب
خلیج بنگال
جزائر
انڈمان
لنکا
ہند

برِّصغیر پاکستان و بھارت میں ہندوؤں کی آبادی زیادہ تھی۔ ہندو یہ چاہتے تھے کہ جب برِّصغیر آزاد ہو تو حکومت اُن کے ہاتھ آجائے۔ انگریز بھی اُن کی ہاں میں ہاں مِلاتے تھے، لیکن مسلمانوں کو یہ فیصلہ منظور نہ تھا۔ قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ نے کہا کہ جن عِلاقوں میں مُسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے، وہاں مُسلمانوں کی حکومت قائم ہو تا کہ مُسلمان قرآن و سُنّت کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں اور اس طرح جو نیا مُلک بنے، اُس کا نام پاکستان رکھا جائے۔

قرار دادِ پاکستان: ڈاکٹر علّامہ اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ کی اِس تجویز کو برِّصغیر کے مُسلمانوں کی اکثریّت نے قبول کر لیا۔ ہمارے صُوبے کے مسلمانوں نے بھی اِس مُطالبے کی پُر زور حمایت کی۔

اُس وقت مُسلمانوں کی سب سے بڑی سیاسی جماعت مُسلم لیگ تھی۔ قائدِ اعظمؒ اِس سیاسی جماعت کے صدر تھے۔ قائدِ اعظمؒ کی تجویز پر ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں ایک بہت بڑا جلسہ ہُوا جس میں برِّصغیر کے مُسلمان لیڈروں نے شرکت کی۔ یہ جلسہ اُس جگہ ہُوا جہاں آج کل اقبال پارک ہے۔ اِس جلسے کی صدارت قائدِ اعظم محمّد علی جناحؒ نے کی۔ اِس جلسے میں ایک قرار داد منظور کی گئی جس میں مُطالبہ کیا گیا کہ برِّصغیر کے جن عِلاقوں میں مُسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے، وہاں مسلمانوں کی حکومت قائم کی جائے اور اُس نئے مُلک کا نام پاکستان رکھا جائے۔

سامنے صفحے پر دیے ہُوئے نقشے کو دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ مُسلمان اکثریّت کے عِلاقے برِّصغیر کے شمال مغربی اور شمال مشرقی حصّے میں واقع ہیں۔ شمال مغربی حصّے میں ریاست جمّوں و کشمیر، صُوبہ پنجاب، صُوبہ سرحد،

قبائلی علاقے، صُوبہ سندھ اور صُوبہ بلوچستان واقع ہیں اور شمال مشرقی حصّے میں صُوبہ بنگال اور صُوبہ آسام ہیں۔

اِس قرار داد کی یاد ہر سال منائی جاتی ہے۔ جس جگہ جلسہ ہُوا تھا، وہاں ایک بلند مینار تعمیر کیا گیا ہے جسے "مینارِ پاکستان" کہتے ہیں۔ اس کے گِرد ایک سیر گاہ بھی بنا دی گئی ہے۔ اُس دن کی یاد منانے کے لیے ہر سال ۲۳ ؍مارچ کو مُلک میں عام چُھٹی ہوتی ہے۔ جگہ جگہ عام جلسے ہوتے ہیں جن میں قائد اعظمؒ کی کوشِشوں کو سراہا جاتا ہے۔ پاکستان کی سلامتی اور ترقّی کے لیے خصوصی دُعائیں مانگی جاتی ہیں۔ دن کو فوجی پریڈ ہوتی ہے اور رات کو عمارتوں پر چراغاں کیا جاتا ہے۔

پنجاب میں پاکستان حاصل کرنے کے لیے کوششیں: اس قرارداد کو پنجاب کے مُسلمانوں نے دِل وجان سے قبول کیا۔ قائدِ اعظمؒ کو پنجاب کے مُسلمانوں سے بہت محبّت تھی۔ وُہ پنجاب کو ہمیشہ پاکستان کا دِل کہا کرتے تھے۔ پاکستان کے باقی صُوبوں کی طرح پنجاب کے مُسلمانوں نے بھی آپ کا پُورا پُورا ساتھ دیا اور ہر قِسم کی قربانی دی۔

پاکستان کے حصول کی کوششوں میں طلبا کا حصّہ:۔ پنجاب کے سکولوں اور کالجوں کے طلبا نے پاکستان کو حاصل کرنے کے لیے دن رات ایک کر دیے۔ طلبا مُلک کے کونے کونے میں پھیل گئے اور اُنھوں نے لوگوں کو پاکستان کے حصول کی خاطر ہر ممکن قربانی دینے کی ترغیب دی۔

آخر کار قائدِ اعظمؒ کی کوشِشوں سے انگریز برّصغیر کو آزاد کرنے پر مجبُور ہو گئے اور انگریزوں نے پاکستان بنانا بھی منظور کر لیا۔ ۱۹۴۶ء میں یہ پتا کرنے کے لیے کِہ برِّصغیر کے مُسلمان، پاکستان بنانے کے حق

میں ہیں کہ نہیں، الیکشن کرایا گیا۔ اِس الیکشن میں تقریباً تمام مُسلمانوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ دِیے۔ آخر کار ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان بنا اور مسلمانوں کو اپنا حق مِل گیا۔

مہاجرین کی پنجاب میں آمد :۔ جس وقت پاکستان بنا تو بھارت میں رہنے والے مُسلمان، پاکستان میں آنا شروع ہو گئے اور پاکستان میں رہنے والے ہندُو، بھارت میں جانے لگے۔ مُسلمانوں نے ہندُوؤں اور سِکھّوں کو آرام سے جانے دیا، لیکن بھارت کے ہندُوؤں اور سکھّوں نے مُسلمانوں پر بہُت ظُلم کیے۔ اُنھوں نے بچّوں، بُوڑھوں، جوانوں، مردوں اور عورتوں کو بے دردی سے قتل کیا اور اُن کا سارا سامان لُوٹ لیا۔ پنجاب کے مُسلمانوں کو اس بات کا بہُت دُکھ ہُوا، اِس لیے جو مہاجرین سرحد پار کر کے پنجاب میں آتے، اُن کی خُوب خدمت کی جاتی۔ لوگ اچّھے اچّھے کھانے پکا کر اُن کے لیے لے جاتے اور اُنھیں کِھلاتے، اُنھیں کپڑے دیتے، زخمیوں کی مرہم پٹّی کرتے، اُنھیں ٹیکے لگاتے اور ہر قِسم کی سہولتیں پہُنچانے کی کوشش کرتے۔ اِسی طرح پاکستان کے دُوسرے صُوبوں میں بھی مہاجرین سے اچّھا سلوک کیا گیا۔ حکومتِ پنجاب نے مہاجرین کو دوبارہ آباد کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ ہندُوؤں نے جاتے وقت جو مکان اور زمینیں خالی کی تھیں، وُہ مہاجرین کو دے دی گئیں۔ اب تمام مہاجرین آباد ہو چُکے ہیں اور ہنسی خُوشی زندگی گذار رہے ہیں۔

پنجاب کے لوگ :۔ پنجاب کے لوگ بہُت محنتی اور بہادر ہیں اور پاکستان سے بے حد محبّت کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے پیارے وطن کی حِفاظت

کے لیے فوج میں بھرتی ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ پاکستان کی فوج میں زیادہ تعداد پنجاب ہی کے جوانوں کی ہے۔

۱۹۴۷ء میں جب پاکستان بنا تو ریاست جمّوں وکشمیر کے ہندُو راجا نے ریاست کو بھارت میں شامِل کر دیا، حالانکہ ریاست جمّوں و کشمیر میں زیادہ آبادی مُسلمانوں کی ہے۔ وہاں کے مُسلمان، پاکستان میں شامِل ہونا چاہتے تھے۔ جب اُنھیں پتا چلا کہ اُنھیں بھارت میں شامل کر دیا گیا ہے تو اُنھوں نے ہندُو راجے اور اُس کی ڈوگرہ فوج سے آزادی حاصِل کرنے کے لیے جنگ شروع کر دِی۔ پاکستان کے مجاہدین اُن کی اِمداد کے لیے فوراً ریاست میں داخل ہو گئے اور بہُت سے عِلاقے آزاد کروا لیے۔ بعد میں اقوام متحدہ کے کہنے پر جنگ ختم ہو گئی اور جو عِلاقے آزاد ہُوئے تھے، وہاں آزاد جمّوں وکشمیر کی حکومت قائم ہُوئی۔

بھارت، پاکستان کا ہمیشہ سے دُشمن رہا ہے۔ جب کبھی اُسے موقع مِلتا ہے، پاکستان کو نُقصان پُہنچانے کی کوشِش کرتا رہتا ہے۔ ستمبر ۱۹۶۵ء میں بھی بھارت نے بغیر جنگ کا اِعلان کیے، لاہور کی سرحد پر حملہ کر دیا، لیکن پاکستان کی فوج نے اِس حملے کا مُنہ توڑ جواب دیا۔ پنجاب کے لوگوں میں اس وقت بہُت جوش وخروش تھا۔ سرحد کے ساتھ ساتھ رہنے والے لوگ بالکل نہ گھبرائے۔ لاہور، سیالکوٹ اور قصور میں رہنے والوں نے بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ ہمارے فوجیوں نے بھارت کے کئی عِلاقے بھی فتح کر لیے۔ اِس جنگ میں میجر عزیز بھٹی نے جو ضِلع گجرات کے رہنے والے تھے، کئی اور

فوجیوں کے ساتھ مِل کر شہادت پائی، لیکن دُشمن کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران میں سکولوں اور کالجوں کے لڑکوں میں بہُت جوش تھا۔ وُہ فوجیوں کے لیے بہُت سی چیزیں جمع کر کے اُنھیں پہُنچاتے۔ اُنھوں نے زخمی فوجیوں کے لیے بہُت سا خُون دیا اور ہوائی حملے کے وقت ہر قِسم کی خدمت کرتے رہے۔ بھارت، پاکستانیوں کی بہادری سے ڈر کر صُلح کرنے پر مجبُور ہو گیا۔

پنجاب کے جوان نہ صِرف پاکستان کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے دن رات تیّار رہتے ہیں، بلکہ زراعت، صنعت اور تجارت کے میدانوں میں بھی مُلک کی خدمت کے لیے کوشِش کرتے رہتے ہیں۔

زراعت میں ترقی — پنجاب اناج کا گھر ہے:- پاکستان بننے سے پہلے بھی ہمارا صُوبہ ہی برّصغیر کے اکثر عِلاقوں کو گندم مہیّا کرتا تھا اب بھی ہمارا صُوبہ گندم کی پیداوار کے لیے بہُت مشہور ہے، لیکن ہمارے ہاں آبادی بہُت زیادہ بڑھ جانے کی وجہ سے اب ضرُورت اِس بات کی ہے کہ پہلے سے کہیں زیادہ اناج پیدا کیا جائے۔

پنجاب کے دریا سارا سال بہتے ہیں۔ ان دریاؤں سے نہریں نکالی گئی ہیں جن کی بدولت فصلیں کاشت ہوتی ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں حکومتِ پاکستان اور حکومتِ بھارت کے درمیان پانی کا ایک معاہدہ ہُوا جس کی رُو سے دریائے چناب، جہلم اور سندھ کا پانی پاکستان کے حصّے میں آیا اور دریائے بیاس، دریائے ستلُج اور دریائے راوی کے پانی کے استعمال کا حق بھارت کو دے دیا گیا۔ اِس کی وجہ سے کاشت کاری کے لیے پانی نسبتاً کم مقدار میں ملنے لگا۔ اِس مُشکِل پر قابو

پانی کے لیے منگلا کے مقام پر بند باندھا گیا ہے اور رابطہ نہروں کے ذریعے دریائے راوی اور دریائے ستلج کی نہروں میں پانی ڈالا جاتا ہے تاکہ ہم اچھی فصلیں حاصِل کر سکیں۔

پانی کی کمی کو پُورا کرنے کے لیے بہُت سے ٹیوب ویل بھی لگائے جا رہے ہیں۔ ٹیوب ویلوں کو چلانے کے لیے منگلا بند سے بجلی پیدا کی گئی ہے۔

لائل پور میں زرعی یونیورسٹی اور زرعی ترقیاتی مرکز قائم کیے گئے ہیں تاکہ وُہ تجربات کریں اور ایسے بیج تلاش کریں جن سے زیادہ پیداوار حاصِل ہو سکے۔ گندم کی نئی قِسم "میکسی پاک" اور چاول کی نئی قِسم "اِری پاک" کی بدولت ان اجناس کی پیداوار بہُت بڑھ گئی ہے۔

ہماری مختلف حکومتوں نے وقتاً فوقتاً زرعی اِصلاحات کی ہیں۔ ان اِصلاحات کی رُو سے حکومت نے بڑے بڑے زمینداروں سے زمینیں لے کر چھوٹے کاشت کاروں کو دے دی ہیں تاکہ وُہ زیادہ محنت کریں اور زیادہ پیداوار حاصل کریں۔

ہماری حکومت کِسانوں کو اُن کی ضروریات کے مطابق قرضے بھی دیتی ہے تاکہ وُہ بیج بونے کے وقت اچھے بیج خرید سکیں، کھاد حاصل کر سکیں اور ٹریکٹر خرید لیں یا کرائے پر حاصِل کر سکیں۔

صنعتی ترقی:۔ جب پاکستان بنا تو پنجاب میں بہُت ہی کم کارخانے تھے۔ اُس وقت برِّ صغیر میں زیادہ تر کارخانوں کے مالک ہندُو تھے۔ ہندُوؤں نے جان بوجھ کر کارخانے اُنھیں علاقوں میں لگائے تھے جہاں زیادہ تر ہندُو بستے تھے۔ قیامِ پاکستان کے وقت سے پنجاب کے صنعت کاروں نے بہُت محنت کی ہے اور تھوڑے سے عرصے میں بہُت سے کارخانے لگا لیے ہیں۔

حکومت بھی کارخانے لگانے والوں کی مدد کرتی ہے، اُنھیں قرضے دینے کے علاوہ، دوسرے ممالک سے مشینری بھی منگوا کر دیتی ہے۔ اب پنجاب میں سُوتی کپڑا، سیمنٹ، کھانڈ، بناسپتی گھی اور کھاد بنانے کے بہُت سے کارخانے کام کر رہے ہیں۔ اِن کارخانوں کا بنا ہُوا مال جو ہماری ضروریات سے بچ جاتا ہے، ہم باہر کے مُلکوں کے ہاتھ بیچ کر بہُت سا زرِ مبادلہ کماتے ہیں۔ جس سے ہم دوسرے ممالک سے مشینری وغیرہ خریدتے ہیں۔

تعلیمی ترقّی: جس وقت پاکستان بنا تو پنجاب میں صرف ایک یونیورسٹی اور چند ایک کالج تھے۔ انگریز جان بُوجھ کر پنجاب کے مسلمانوں کو تعلیم سے محروم رکھنا چاہتے تھے تاکِہ یہ لوگ فوج میں سپاہی بھرتی ہونے کے علاوہ کِسی اور طرف توجّہ نہ دے سکیں۔

ہماری صُوبائی حکومت نے تعلیمی ترقی کے لیے بہُت کوشش کی، خاص کر ۱۹۷۱ء میں جب سے عوامی حکومت قائم ہُوئی ہے، تعلیم کے میدان میں دن دُگنی اور رات چوگنی ترقّی ہو رہی ہے۔

حکومت نے وُہ سارے سکول اور کالج جو گورنمنٹ نہیں چلاتی تھی، اُنھیں خود چلانا شروع کر دیا ہے تاکِہ تمام سکولوں اور کالجوں کی حالت بہتر ہو جائے۔ اب حکومت نے فیصلہ کیا ہے کِہ کالجوں کی تعداد اِتنی زیادہ کر دی جائے گی کہ ہر تحصِیل میں کم از کم ایک انٹر کالج ضرُور ہوگا۔ قیامِ پاکستان کے وقت پنجاب میں صرف ایک یونیورسٹی تھی لیکن اب پنجاب میں پانچ یونیورسٹیاں ہیں۔ سکولوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ اب تقریباً ہر دیہات میں پرائمری سکول قائم ہو گیا ہے۔

حکومت نے تعلیم عام کرنے کے لیے دسویں جماعت تک کے تمام طلبا کی فیس مُعاف کر دی ہے۔ پہلی جماعت کے طالب علموں کو تو کتابیں بھی مفت دی جاتی ہیں۔ غریب والدین کے بچّوں کو یونیورسٹی کی تعلیم تک وظیفے دیے جاتے ہیں۔

پنجاب میں اب ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کی تعداد میں بھی بہُت اضافہ ہو گیا ہے۔ حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ دیہات کے ہسپتالوں میں اب ایک مرد ڈاکٹر کے علاوہ ایک لیڈی ڈاکٹر بھی ہُوا کرے گی اور ہسپتالوں میں مریضوں کو دوائیں مُفت مِلا کریں گی۔

اِس طرح ہمارے صُوبے کی حکومت عوام کی بہتری کے لیے بہُت کام کر رہی ہے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم حکومت کا ہاتھ بٹائیں اور صُوبے کی ترقّی میں حِصّہ لیں۔

آبادی اور پیشے

ہمیں یہ معلوم ہے کہ ۱۹۷۲ء کی مَردم شُماری کے مُطابق پنجاب کی کُل آبادی تقریباً تین کروڑ پچھتّر لاکھ ہے۔ کُل آبادی میں بچّے، جوان، بوڑھے سب شامِل ہیں۔ مَردم شُماری کے اُصول کے مُطابق پندرہ سال سے کم عُمر والے کو "بچّہ" کہتے ہیں۔ پندرہ سے ساٹھ سال کی عُمر والے "نوجوان" اور ساٹھ سال سے زیادہ عُمر والے لوگوں کو "بُوڑھوں" میں گِنا جاتا ہے۔ بڑے اور جوان لوگ کام کرتے اور کماتے ہیں۔ اِس طرح وُہ اپنے بچّوں کی پرورش کرتے ہیں اور گھر کے بُوڑھے لوگوں کی ذمّہ داری اُٹھاتے ہیں۔ اِسی لیے صُوبے کی ترقّی میں بچّوں اور بُوڑھوں کے مقابلے میں کام کرنے والے جوان لوگوں کا زیادہ حِصّہ ہے۔ ہمارے صُوبے میں اندازاً ہر سو افراد میں سے کام کرنے والے نوجوان تقریباً چوالیس، بچّے تقریباً اڑتالیس اور بُوڑھوں کی تعداد تقریباً آٹھ ہے۔

آبادی بلحاظ خواندگی: خواندہ یعنی پڑھا لِکھا شخص ایک ناخواندہ یعنی اَن پڑھ کی نسبت زیادہ بہتر طریقے سے کام انجام دے سکتا ہے۔ پڑھنا لِکھنا آتا ہو تو اِنسان کتابوں سے نئی نئی باتیں سیکھ سکتا ہے، بیجوں کی قِسموں اور فصلیں اُگانے کے بہتر طریقوں کو جان سکتا ہے اور اپنے کام کے متعلق ہر طرح کی خط و کتابت کر سکتا ہے۔ مگر اَن پڑھ آدمی اِن باتوں کے لیے دُوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ وُہ اپنے کام کو اِتنا بہتر نہیں بنا سکتا، جتنا ایک پڑھا لِکھا آدمی بنا سکتا ہے، لہٰذا مردم شُماری کے وقت آبادی میں خواندہ لوگوں کی گِنتی بھی کی جاتی ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ پاکستان میں پڑھے لِکھے لوگ بہت کم ہیں۔ مَردم شُماری کے اندازے کے مُطابق ہماری آبادی میں ۱۰۰ میں سے تقریباً ۲۲ لوگ پڑھے لکھے ہیں اور باقی ۷۸ لوگ اَن پڑھ ہیں۔

آبادی بلحاظِ پیشہ: تیسری جماعت میں ہم نے پڑھا تھا کہ لوگ مختلف قِسم کے کام کرتے ہیں۔ کِسان زمین کاشت کر کے فصلیں اُگاتے ہیں، انجینئر اور مِلّوں کے مزدُور روزانہ اِستعمال کی دیگر چیزیں تیّار کرتے ہیں، اِسی طرح اُستاد محنت سے ہمیں تعلیم دیتے ہیں اور ڈاکٹر بیماریوں کا علاج کرتے ہیں، یہ سب اُن کے پیشے ہیں۔ مُلک کی ترقی کے لیے ہر قِسم کا کام کرنے والے لوگوں کی ضُرورت ہوتی ہے۔ اگر ہمیں ہر پیشہ کے لوگوں کی گِنتی معلوم ہو جائے تو جِس پیشے میں کم لوگ ہوں، ضرُورت کے مُطابق مزید لوگوں کو اُس پیشے کا شوق دلایا جا سکتا ہے اور اُن کی تربیّت کا اِنتظام کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں اپنے صُوبے کی ترقی کے لیے بہت

سی قِسم کے کام کرنے والوں کی بہت ضرورت ہے۔

چرواہے، کاشت کار اور کان کَن: چرواہے، مویشی پالتے ہیں۔ مویشیوں سے ہمیں دُودھ، گھی، مکھن مِلتا ہے۔ بھیڑوں اور بکریوں کی اُون گرم کپڑے بنانے کے کام آتی ہے اور بعض جانوروں کے چمڑے سے جُوتیاں اور دیگر سامان بنتا ہے۔ کچھ جانوروں سے بوجھ اُٹھانے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔

کاشت کار، فصلیں اُگاتے ہیں اور ہمارے لیے اناج وغیرہ پیدا کرتے ہیں۔ کِسان اگر محنت نہ کریں تو ہمارے ہاں خوراک کی کمی ہوجائے۔

کان کَن، کانیں کھود کر زمین کے نیچے چُھپے ہُوئے خزانے تلاش کرتے ہیں مثلاً لوہا، کوئلہ، نمک وغیرہ۔ ان دھاتوں کی بدولت مُلک کو بہُت فائدہ ہے۔

دستکار و انجینئر: بڑھئی، لوہار، کمہار، جولاہے وغیرہ ہماری ضرُورت کا سامان تیار کرتے ہیں۔ اِس کے علاوہ بڑے بڑے کارخانوں میں بھی ہماری ضرُورت کی چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ ان کارخانوں میں زیادہ کام مشینوں کے ذریعے ہوتا ہے۔

اِن مشینوں پر کاریگر، انجینئروں کی نگرانی میں کام کرتے ہیں۔ کارخانوں کو چلانے کے لیے مزدور بھی دن رات محنت کرتے ہیں اور اس طرح ہمیں ہر چیز آسانی سے مِل جاتی ہے۔

اِنسان کو سہولتیں پہُنچانے والے لوگ: چند لوگ ایسے ہیں جو باقی کارکنوں کی بہتری کے لیے کام کرتے ہیں، مثلاً اُستاد، ڈاکٹر، نرس، وکیل تاجر، بینک کار، دفتری مُلازم، سپاہی، فوجی وغیرہ۔

اُستاد ہمیں لِکھنا پڑھنا سِکھاتے ہیں۔ ڈاکٹر اور نرس ہماری صحت کا خیال رکھتے ہیں اور بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ پولیس والے ہمیں چور اچکّوں سے بچاتے ہیں اور فوج کے سپاہی مُلک کی حفاظت کرتے ہیں۔

تاجر لوگ، سامان کی لین دین کرتے ہیں۔ دیہات سے فصلیں شہروں کو لاتے ہیں اور شہروں میں تیّار ہونے والا سامان لاکر گاؤں میں بیچتے ہیں۔ بینک میں کام کرنے والے بچت کا پیسہ اکٹھا کرتے ہیں اور مختلف کاموں کے لیے قرض دیتے ہیں۔ دفتری ملازم الگ الگ محکموں کے دفتروں میں اپنا اپنا فرض سر انجام دیتے ہیں۔

غرض، ہماری خُوش حالی کا انحصار اپنی محنت اور آپس کے لین دین پر ہے۔ جوان خُود کماتے ہیں اور بچّوں، بوڑھوں کی ذمّہ داری اُٹھاتے ہیں۔ پڑھے لکھے لوگ زیادہ اور بہتر کام کر سکتے ہیں اور اِس طرح وُہ زیادہ کما سکتے ہیں۔

کسان ہو یا مزدور، تاجر ہو یا ڈاکٹر ہر کسی کو محنت کا پھل مِلتا ہے۔ اس طرح ہم اپنی محنت سے اپنے مُلک کے قدرتی وسائل کو زیادہ بہتر طریقے سے اِستعمال کر سکتے ہیں اور لوگوں کی زندگی بہتر بنانے میں حِصّہ لے سکتے ہیں۔

ہمارے مُلک میں زیادہ تر لوگوں کا پیشہ زراعت ہے۔ کام کرنے والے ۱۰۰ لوگوں میں سے تقریباً ۶۵ کِسان ہیں اور ۲۰ کاریگر۔ باقی پندرہ انسان کو سہولتیں پُہنچانے والے کام کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہُوا کہ ہمارے ہاں عام ضرورت اور اِستعمال کا سامان بنانے والے

کاریگر کم ہیں۔

اُستاد، ڈاکٹر، نرس، تاجر وغیرہ بھی ضرورت سے کم ہیں۔ اِسی وجہ سے ہمارے لوگوں کو تعلیم اور صِحت کی کم سہولتیں میسّر ہیں۔ اب حکومت کوشِش کر رہی ہے کِہ لوگوں کو یہ پیشے اختیار کرنے کی ہر ممکن سہولت دی جائے۔

آب وہوا

ہمارے صوبے میں مئی اور جون کے مہینوں میں بلا کی گرمی پڑتی ہے۔ درجۂ حرارت ۴۳ درجے سنٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے۔ دن کے وقت دُھوپ اِتنی تیز ہوتی ہے کہ کپڑے دھو کر باہر ڈالیں تو پَل بھر میں خُشک ہو جاتے ہیں۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ کپڑے خُشک کیونکر ہو جاتے ہیں۔ بھئی! کپڑوں کا یہ پانی سُورج کی گرمی سے بخارات بن کر ہَوا میں مِل جاتا ہے۔ جِس طرح پکتی ہُوئی ہنڈیا میں سے بھاپ اُوپر کو اُٹھتی ہے، اُسی طرح یہ بخارات بھی اُوپر ہی کو اُٹھتے ہیں۔

درخت اور گھاس بھی سُورج کی گرمی سے نہیں بچ پاتے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس موسم میں ہم پودوں کو زیادہ پانی دیتے رہتے ہیں۔ جب سُورج کی شعاعیں سمندر، تالاب یا جھیل پر پڑتی ہیں تو بہُت زیادہ بخارات اُٹھتے ہیں، جو ہَوا میں مِلتے جاتے ہیں۔ جب یہ بخارات اُوپر جا کر آپس میں مِل جاتے ہیں تو ہمیں بادلوں کی صُورت میں نظر آنے لگتے ہیں اور جب بخارات والی یہ ہَوا مزید جا کر ٹھنڈی ہو جاتی ہے تو بارش برسنے لگتی ہے۔

ہاں بھئی! اب پتا چلا کہ ہمارے صُوبے میں جولائی اور اگست کے مہینوں میں بارش کیوں ہوتی ہے۔ مئی اور جُون کے مہینوں میں خوب بخارات اُٹھتے ہیں اور جب ہَوا میں بہُت زیادہ بخارات جمع

ہو جاتے ہیں تو جولائی اور اگست میں بارشیں شروع ہو جاتی ہیں۔

ہم نے پڑھا ہے کہ اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں نہ گرمی ہوتی ہے، نہ سردی لیکن دسمبر اور جنوری میں تو بلا کی سردی پڑتی ہے۔ اِس موسم میں اگر صبح سویرے سیر کرنے باہر نکلیں تو ہمیں گھاس پر پانی کے ننّھے ننّھے قطرے نظر آتے ہیں۔ یہ بخارات ہی تو ہیں جو سردی کی وجہ سے پانی کے قطرے بن کر گھاس پر جم گئے ہیں۔ ان ننّھے ننّھے قطروں کو "شبنم" کہتے ہیں۔ کبھی کبھی تو اِتنی زیادہ سردی پڑتی ہے کہ شبنم کے یہ قطرے برف کی مانند جم جاتے ہیں، اِسے ہم "کہُر" کہتے ہیں۔ جُوں جُوں سُورج اُونچا ہوتا جاتا ہے، شبنم کے یہ قطرے پھر بخارات بن کر ہوَا میں مِل جاتے ہیں۔

ہوَا : پانی کی طرح ہوَا بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہُوئی خاص نِعمت ہے کوئی بھی جاندار پل بھر بھی ہوَا کے بغیر زِندہ نہیں رہ سکتا۔ ہوَا میں کئی ایک گیسیں مِلی ہوتی ہیں۔ اِن میں ایک گیس، آکسیجن ہے۔ آکسیجن نہ ہوتی تو ہم سانس نہ لے سکتے اور نہ آگ ہی جلا سکتے۔ دُوسری ضروری گیس، نائٹروجن ہے۔ جِس طرح جاندار، آکسیجن کے بغیر زِندہ نہیں رہ سکتے، اِسی طرح پودے، نائٹروجن کے بغیر ہرے بھرے نہیں رہ سکتے۔ ان گیسوں کے علاوہ پانی کے بخارات، سُورج کی گرمی کی وجہ سے ہوَا میں شامِل ہوتے ہی رہتے ہیں۔ جب تیز ہوَا چلتی ہے تو مٹّی کے باریک باریک ذرّے بھی ہوَا میں مِلتے جاتے ہیں۔ اِس طرح ہوَا میں بہُت سی چیزیں مِلی ہوتی ہیں۔

ہوا ہر وقت چلتی رہتی ہے، لیکن جولائی اور اگست کے مہینوں میں

کئی دن تو ایسے آتے ہیں کہ ہَوا چلتی معلوم نہیں ہوتی۔ دِل بہُت گھبراتا ہے، لیکن اِنھیں دنوں جب ٹھنڈی ہَوا چلنا شروع ہوجاتی ہے تو جی خُوش ہوجاتا ہے۔ ہم سَیر کرنے باغوں میں نِکل جاتے ہیں۔ آہستہ آہستہ چلتی ہُوئی ہَوا میں پرندے بھی بہُت خُوش ہوتے ہیں، ہَوا میں قلابازیاں کھاتے ہیں اور خوب ٹیں ٹیں کرتے ہیں، لیکن جب کبھی ہَوا بہُت تیز چلنا شروع ہوجاتی ہے تو پرندے گھونسلوں میں جا چھُپتے ہیں۔ اگر آندھی چل پڑے تو ہم بھی گھروں کی راہ لیتے ہیں۔ کبھی کبھی تو آندھی اِس زور سے چلتی ہے کہ درخت تک گِر جاتے ہیں اور بڑا نقصان ہوتا ہے۔

ہاں بھئی! ہر چیز کی نہ کمی اچھی ہوتی ہے، نہ زیادتی۔ بارش کم ہو تو ہماری فصلیں اچھی نہیں ہوتیں، اگر بارشیں بہُت زیادہ ہوں تو سیلاب آجاتے ہیں اور بہُت نقصان ہوتا ہے۔ نہ زیادہ گرمی میں دِل خوش رہتا ہے، نہ زیادہ سردی ہی برداشت ہوتی ہے۔

ہم نے پڑھا کہ مئی اور جون کے مہینوں میں خوب گرمی پڑتی ہے۔ ہمارے صوبے کے اکثر علاقوں میں درجۂ حرارت ۳۹ درجے سنٹی گریڈ سے بڑھ جاتا ہے۔ دِن کے وقت گرم ہوا چلتی ہے، دوپہر کو کام کرنا مُشکل ہو جاتا ہے، اِنہیں دِنوں سمندر سے خوب بخارات اُٹھتے ہیں۔ ہم نے اِس کِتاب کے شروع ہی میں پاکستان کا نقشہ دیکھا ہے۔ ہمارے صوبے کے جنوب میں صوبہ سندھ اور جنوب مغرب میں صوبہ بلوچستان ہے۔ اِن صوبوں کے جنوب میں بہت بڑا سمندر ہے، جسے بحیرۂ عرب کہتے ہیں۔ اِس سمندر سے پانی کے بخارات اُٹھتے ہیں جو ہمارے صوبے کی طرف آنے والی ہوا میں مِل جاتے ہیں جولائی اور اگست کے مہینوں میں یہ بخارات والی ہوا، بارش برساتی ہے۔ اِس ہوا کو موسمِ گرما کی مون سون ہوا کہتے ہیں۔ بارش کی بدولت موسم خوشگوار ہو جاتا ہے۔

دسمبر اور جنوری سخت سردی کے مہینے ہیں۔ درجۂ حرارت ۵ درجے سنٹی گریڈ تک بھی گِر جاتا ہے۔ موسمِ سرما میں سمندر کی طرف سے ہوائیں نہیں آتیں، اِس لیے بارش بہت کم ہوتی ہے لیکن جو بھی تھوڑی بہت بارش ہوتی ہے، ہماری فصلوں کے لیے بہت مفید ہے۔ خاص طور پر گندم کی فصل کے لیے تو یہ "سونے کی بوندیں" ہوتی ہیں۔

شمالی پہاڑی عِلاقے : ویسے تو ہمارے صوبے میں موسم گرما میں خوب گرمی پڑتی ہے اور سردیوں میں سردی، لیکن شمالی بلند پہاڑی عِلاقے، میدانی علاقوں کے مقابلے میں زیادہ سرد ہوتے ہیں۔ یہ عِلاقے ضِلع راولپنڈی کی تحصِیل مَری اور تحصِیل کہوٹہ میں واقع ہیں۔ یہاں گرمیوں کے مہینوں میں

مَوسم بہُت خوشگوار ہوتا ہے، گرمی نام کو نہیں ہوتی۔ میدانی عِلاقوں کے کچُھ لوگ جُون، جولائی اور اگست کے مہینوں میں اِن پہاڑی عِلاقوں میں آجاتے ہیں۔ مری کا صِحت افزا مقام اسی پہاڑی علاقے میں واقع ہے۔

اِس پہاڑی عِلاقے میں گرمیوں کے مہینے میں بارش خُوب ہوتی ہے جس کی وجہ سے پہاڑی ڈھلانیں جنگلات سے ڈھکی ہوتی ہیں۔یہاں تقریباً ۳۰۰ ملی میٹر بارش ہو جاتی ہے۔ سردیوں کے مہینوں میں تو یہ پہاڑیاں سفید سفید برَف سے ڈھک جاتی ہیں۔ مکانوں کی چھتّوں اور سڑکوں پر برف ہی برف نظر آتی ہے۔ خُوب سردی پڑتی ہے، لوگ گھروں میں دبکے رہتے ہیں۔ لوگ اپنے مویشیوں کے لیے پہلے ہی سے گھاس کاٹ کر گٹھّے بنا کر رکھ لیتے ہیں تاکہ مویشی بھُوکے نہ رہیں۔

یہاں کھیت چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ پیداوار کم ہوتی ہے۔یہاں کے رہنے والے بڑے بہادُر ہیں، فوج میں نوکری کرتے ہیں اور اپنے پیارے وطن کی حِفاظت کرتے ہیں۔ اس علاقے کی آب و ہَوا پھلوں کے لیے بہُت اچھی ہے۔ یہاں کے سیب اور ناشپاتی بڑی لذیذ ہوتی ہے۔ اَب حکومت کوشش کر رہی ہے کہ یہاں بہت سے باغات لگائے جائیں تاکہ لوگ پھل بیچ کر رُوپے کمائیں اور خوش حال زِندگی بسَر کریں۔

دامنی عِلاقے: شمالی پہاڑی عِلاقے کے ساتھ والے دامنی عِلاقوں میں بھی گرمی کم پڑتی ہے۔ پہاڑ سے ہو کر جو ہوائیں آتی ہیں، وُہ اپنے ساتھ بارش لاتی ہیں۔ یہ بارش پہاڑی علاقے کی بہ نسبت تو کم ہوتی ہے، البتّہ وسطی اور جنوبی میدان کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ اِن علاقوں میں ضِلع

سیالکوٹ، ضلع گجرات، ضلع جہلم، ضلع راولپنڈی اور ضلع کیمبل پور کے شمالی علاقے شامل ہیں۔ یہاں کے بعض علاقوں میں کھیت بھی چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں اور نہریں بھی نہیں، اس لیے کھیتی باڑی کا انحصار صرف بارش ہی پر ہے۔ یہاں گرمیوں میں مکئی، جوار اور باجرا کاشت کیا جاتا ہے اور سردیوں کے موسم میں گندم بوئی جاتی ہے۔ یہاں کے لوگ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے بارش کے لیے دُعا مانگتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ اُن کی دُعا قبول کرتا ہے تو خوب فصل ہو جاتی ہے اور لوگ اپنی ضرُوریات کی تمام چیزیں خرید لیتے ہیں۔ ان عِلاقوں میں سردیوں کی بارش، گندم کی فصل کے لیے بہُت ہی مفید ہوتی ہے۔ یہاں کے لوگ بھی فوج میں بڑھ چڑھ کر نوکری کرتے ہیں۔ ہم سب کو اُن کی بہادُری پر فخر ہے۔

وسطی اِضلاع : ہمارے صُوبے کے وسطی اضلاع گرمیوں میں بہُت گرم اور سردیوں میں سَرد ہوتے ہیں۔ زیادہ بارش مُون سُون ہوائیں لاتی ہیں، لیکن یہ بارش ۲۰۰ مِلی میٹر سے کم ہی ہوتی ہے۔ یہاں بارش تو کم ہوتی ہے، البتہ نہروں کی بدولت خُوب کھیتی باڑی کی جاتی ہے۔ گندم، چاول، کپاس، گنّا وغیرہ کی فصلیں بہُت اہم ہیں۔ یہ اناج صُوبے اور مُلک کے دُوسرے حِصّوں کو بھی بھیجا جاتا ہے۔

جنوبی اور مغربی اِضلاع : جوں جوں ہم اپنے صُوبے کے جنوب اور مغرب میں جائیں، بارش کم ہوتی جاتی ہے۔ ان علاقوں میں گرمیوں کا موسم لمبا ہوتا ہے اور شدید گرمی پڑتی ہے۔ سردی صِرف دسمبر اور جنوری ہی میں پڑتی ہے۔ بارش ۱۰۰ مِلی میٹر تک ہوتی ہے۔ اِن علاقوں میں مئی اور جُون کے مہینوں میں خُوب آندھیاں چلتی ہیں۔ ان آندھیوں کی وجہ سے فصلوں کو بہُت نُقصان پہُنچتا ہے۔

جنگلات اور چراگاہیں

دامنِ کوہ کے جنگلات: بس راولپنڈی سے مَری کے لیے روانہ ہُوئی۔ میدانی عِلاقہ مِنٹوں میں طے ہو گیا۔ سترہ میل کے بعد اب بس کی رفتار سُست پڑ گئی۔ اوہو! پہاڑی عِلاقہ شروع ہو گیا ہے۔ سڑک بَل کھاتی ہُوئی اُوپر جا رہی ہے۔ سڑک کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے درخت نظر آنے لگے ہیں۔ اِن کی پھیلی ہُوئی شاخوں پر چھوٹے چھوٹے پتّے لگے ہُوئے ہیں۔ بکریاں اگلے پاؤں اُٹھا کر پتّوں تک پُہنچ جاتی ہیں۔

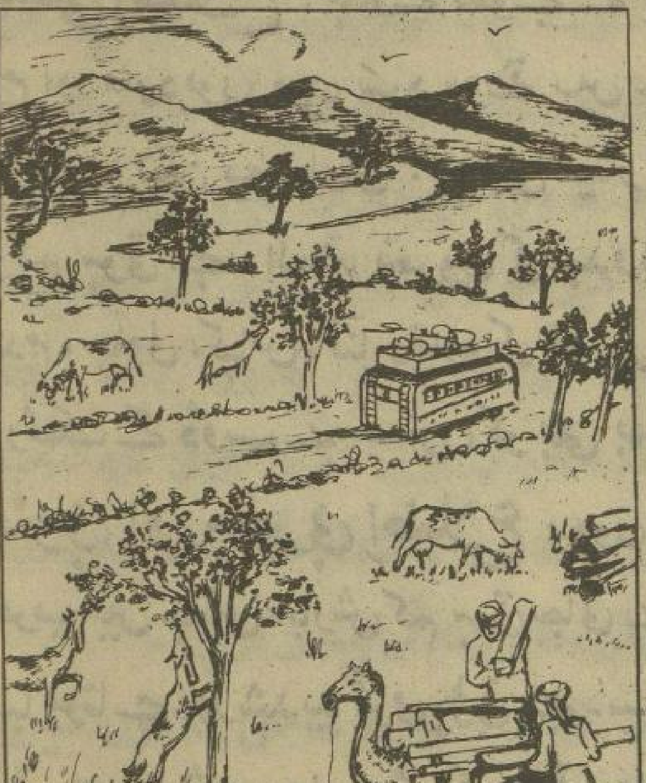

گائے بھی گھاس چرتی چرتی پتّوں کو مُنہ مارتی جاتی ہے۔ اِن میں اکثر درخت کاہُو، پُھلاہی اور زیتون کے ہیں۔ کہیں کہیں لکڑیوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور لوگ اِن خُشک لکڑیوں کو اُونٹوں پر لاد رہے ہیں۔ یہ لکڑی جلانے کے کام آتی ہے۔ وہاں سے اِس لکڑی کو میدانی عِلاقوں میں لے جایا جاتا ہے جہاں اِسے مہنگے داموں بیچا جاتا ہے۔

کاہُو کی لکڑی بہُت مضبوط ہوتی ہے۔ یہ لکڑی کسّی، کلہاڑی

اور کدال کے دستے بنانے میں اِستعمال کی جاتی ہے۔ پھلاہی کی مسواک، دانتوں کو خوب چمکاتی ہے۔ زیتون سے تیل حاصل کیا جاتا ہے۔ مقامی لوگ اِس لکڑی کو اپنے مکان بنانے میں اِستعمال کرتے ہیں اور اِسی سے اپنے چھوٹے چھوٹے ہل بنا لیتے ہیں۔

اِس قِسم کے جنگلات کم بلند پہاڑی علاقوں میں پائے جاتے ہیں ضِلع راولپنڈی کے علاوہ ضلع گجرات میں بنّی کے جنگلات، ضِلع کیمبل پور میں کالا چِٹا کے جنگلات اور ضِلع جہلم کے شمالی حصّے کے جنگلات اس خطّے میں شامِل ہیں۔

شمالی پہاڑی علاقے کے جنگلات: جُوں جُوں مری قریب آرہا ہے، سڑک کے دونوں طرف دُور دُور تک اُونچے درخت نظر آنے لگے ہیں۔ دِل چاہتا ہے یہیں اُتر پڑیں اور درختوں کا نظارہ کریں۔

لو! "چھرّا پانی" کے ہوٹل آ گئے۔ بس رُک گئی۔ ذرا اُتر کر تو دیکھیں

کیسا پیارا منظر ہے! بس کی گھُوں گھُوں سُنتے سُنتے تنگ آ گئے تھے۔ یہ سُوں سُوں کرتی ہُوئی ہَوا جو درختوں کے پتّوں کو چھُو کر آ رہی ہے، کانوں کو کیسی بھلی معلُوم ہو رہی ہے! یہ ہوا ہماری صحت کے لیے بہُت مُفید ہے۔ وُہ سامنے دیکھیں سامِلی کا ہسپتال ہے۔ بعض

بیماریوں میں مبتلا مریض جو میدانی عِلاقے میں اچھے نہیں ہوتے، یہاں آکر تندرُست ہو جاتے ہیں۔

اَب سمجھ میں آیا کہ اِن سر سبز پہاڑی علاقوں کو صحت افزا مقامات کیوں کہتے ہیں۔ یہ چیل کے درخت ہیں۔ اِن کے پتّے پتلے اور نوکدار ہوتے ہیں اور سردیوں میں بھی نہیں مُرجھاتے۔ اِن درختوں کی لکڑی نرم ہوتی ہے۔ تصویر میں دیکھیں، کٹے ہُوئے تنوں کے دو ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ ایک میں تو لمبی لمبی لکڑیاں ہیں اور دُوسرے ڈھیر میں چھوٹے چھوٹے ٹکڑے۔ لمبی لکڑیوں سے مکان بنانے کا سامان اور فرنیچر وغیرہ بنایا جاتا ہے۔ اکثر سکولوں کے دروازے اور کھڑکیاں بھی اِسی لکڑی کی بنی ہُوئی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے دیا سلائی کی تیلیاں وغیرہ بنائی جاتی ہیں۔

اوہو! یہ درختوں کے تنوں کے ساتھ کیا لٹک رہا ہے۔ ہاں بھئی! ان درختوں کے تنوں میں ایک قِسم کا رس ہوتا ہے جسے "بیروزہ" کہتے ہیں۔ درختوں کے تنوں کو ذرا سا چھیل کر اِن کے ساتھ ٹین کی پیالیاں لگا دی جاتی ہیں۔ اِن پیالیوں میں رس جمع ہو جاتا ہے تو اُسے بڑے بڑے ٹینوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ بیروزہ سے وارنش، تارپین کا تیل اور لاکھ وغیرہ بنتی ہے۔ یہاں سے اگر لکڑی کاٹ لی جائے اور ایک طرف سے جلائی جائے تو موم بتی کی طرح جلتی رہتی ہے۔ یہاں کے رہنے والے رات کو اِنھیں جلا کر اپنا راستہ تلاش کرتے ہیں۔

آیئے! بس چلنے والی ہے۔ بس کی رفتار اور بھی سُست ہو گئی۔ چڑھائی بھی تو بہت زیادہ ہے۔ اب تو درخت اور بھی زیادہ گنجان ہو گئے ہیں۔

ان کی اُونچائی چیل کے درختوں سے بھی زیادہ ہے۔ یہ دیودار، پڑتل اور صنوبر کے درخت ہیں۔ درختوں کے ساتھ ساتھ بے شمار جھاڑی نما پودے بھی اُگے ہُوئے ہیں۔ جب بارش ہوتی ہے تو یہ بڑے بڑے درخت اور پودے پانی کو یک دم بہنے سے روکتے ہیں۔ اگر اِس طرح پانی رُک رُک کر دریاؤں میں نہ جائے تو ہمارے دریاؤں میں ہر سال سیلاب آتے رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محکمۂ جنگلات اِن درختوں کی بہُت حفاظت کرتا ہے۔ محکمۂ جنگلات کی منظوری کے بغیر کِسی کو یہاں سے کوئی درخت کاٹنے کی اجازت نہیں۔ اِس علاقے میں محکمۂ جنگلات سال بھر درخت لگاتا رہتا ہے تاکہ درختوں کی تعداد کم نہ ہونے پائے۔

ہمارے صُوبے میں اِس قِسم کے جنگلات صِرف تحصیل مَری میں اور تحصیل کہوٹہ کے کچُھ حصّے میں مِلتے ہیں۔ یہ دونوں تحصِیلیں ضلع راولپنڈی میں واقع ہیں۔ ہمارے صُوبے میں نرم لکڑی کے جنگلات بہُت کم ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں عمارتیں اور فرنیچر بنانے کی لکڑی بہُت مہنگے داموں بِکتی ہے۔

خُشک کوہستانی جنگلات: کوہستانِ نمک، ضلع جہلم کے وسطی حصّے میں پھیلا ہُوا ہے۔ اِس کے کچُھ حِصّے ضلع سرگودھا اور ضِلع میانوالی میں بھی واقع ہیں۔ اِن پہاڑوں پر بارش کم ہوتی ہے، اس لیے یہاں مری کی طرح سرسبز پہاڑ نہیں۔ یہاں کانٹے دار درخت اور جھاڑیاں پائی جاتی ہیں۔ اگر ہم چکوال سے خوشاب تک بس میں سفر کریں تو ہمارا راستہ کوہستانِ نمک سے گزُرتا ہے۔ یہاں پہاڑی کیکر، فراش اور بیر کے درخت دیکھنے میں آتے ہیں۔ بکری ان درختوں کے پتّوں کو کھانے

میں بڑی ہوشیاری سے کام لیتی ہے۔ اِن درختوں کے قد چھوٹے ہوتے ہیں، اس لیے بکری آسانی سے اپنے اگلے پاؤں اُٹھا کر شاخوں تک پہنچ جاتی ہے۔ بکری تو جھاڑیوں کے پتّوں کو بھی نہیں چھوڑتی۔ اِس عِلاقے میں چھوٹے قد کی گائیں بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ گائیں گھاس کو شوق سے کھاتی ہیں۔ اُونٹ بھی اِنہیں جھاڑیوں اور درختوں کے پتّوں پر گزارہ کر لیتا ہے۔ یہاں زیادہ تر اُونٹوں سے بار برداری کا کام لیا جاتا ہے۔

اِن درختوں کی لکڑی جلانے کے کام آتی ہے۔ یہاں کے لوگ لکڑی اُونٹوں پر لاد کر میدانی علاقوں میں لے جاتے ہیں اور اِسے بیچ کر اپنی ضرُورت کی چیزیں خرید لیتے ہیں۔

ڈیرہ غازی خاں کے علاقے میں بارش کم ہوتی ہے، اِس لیے وہاں بھی کوہِ سلیمان کی ڈھلانوں پر اِسی قِسم کے کانٹے دار درخت اور جھاڑیاں پائی جاتی ہیں۔

دریائی جنگلات : دریاؤں کے کنارے اگر سیر کریں تو ہر طرف سرسبز درخت ہَوا میں جھُومتے نظر آتے ہیں۔ دریا کے کناروں کے قریب کی زمین اکثر نمی والی ہوتی ہے، اِس لیے درخت آسانی سے اپنی جڑوں کے ذریعے پانی حاصِل کر لیتے ہیں۔ ایسے جنگلات کو "بیلے" کہتے ہیں۔ ان میں شیشم، سرس، پیپل، کیکر اور دھریک وغیرہ کے درخت عام ملتے ہیں۔ یہاں کی زمین زرخیز ہوتی ہے اور سر سبز جھاڑیاں عام نظر آتی ہیں۔ نرم نرم گھاس اور درختوں کے ملائم ملائم پتّے مویشیوں کا من بھاتا کھاجا ہے۔ چرواہے دِن بھر یہاں مویشی چراتے ہیں۔ مویشی تو شوق سے گھاس اور پتّے کھاتے رہتے ہیں اور چرواہے "ماہیا" گاتے اور "مُرلی" اور "بانسری"

کی دُھنیں بجاتے رہتے ہیں۔

نہروں اور کھالوں کے کناروں پر بھی درخت عام ہوتے ہیں۔ وہاں بھی درختوں کی جڑوں کو پانی ملتا رہتا ہے۔ جب کسان ہَل چلاتے چلاتے تھک جاتے ہیں اور اُدھر دوپہر ہو جاتی ہے تو ان درختوں کے نیچے آرام کرتے ہیں، کھانا کھاتے ہیں اور لسّی سے پیاس بُجھاتے ہیں۔ کسان اپنے مویشیوں کو بھی اِن درختوں کی چھاؤں میں لے آتے ہیں۔

نہری جنگلات: ہمارے صُوبے میں صرف شمالی پہاڑی علاقوں میں بارش زیادہ ہوتی ہے، اس لیے وہاں نرم لکڑی کے جنگلات پائے جاتے ہیں۔ باقی تمام حصّوں میں بارش کم ہونے کی وجہ سے جنگلات بھی کم ہیں۔ ان میں جو درخت پائے جاتے ہیں اُن کے قد چھوٹے ہوتے ہیں اور لکڑی بھی اچھّی قِسم کی نہیں ہوتی۔ ہمیں اپنی ضرُوریات پوری کرنے کے لیے بہُت سے درخت چاہییں، اِس لیے اِس کمی کو پُورا کرنے کے لیے خُود درخت لگانا ضرُوری ہے۔

جب مُسلمان حکمران یہاں آئے تو اُنھوں نے دریاؤں سے نہریں نکالیں، جابجا درخت لگائے اور اچھّی اچھّی فصلیں پیدا کیں۔ جُوں جُوں آبادی بڑھتی گئی، نہروں کی ضرُورت بھی زیادہ ہوتی گئی۔ جب نہروں کا پانی عام ملنے لگا تو حکومت نے بڑے بڑے جنگلات لگانے شروع کر دیے۔

چھانگا مانگا کا جنگل: چھانگا مانگا کا جنگل پاکستان میں ہاتھ سے لگایا ہُوا سب سے بڑا جنگل ہے۔ یہ جنگل لاہور سے کراچی جانے والی ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ لاہور سے کوئی ۴۴ میل کے فاصلے پر

لگایا گیا ہے۔

تصویر میں دیکھیں، مزدُور کس قرینے سے لکڑی کے ٹکڑوں کو مال گاڑی کے ڈبّے میں رکھ رہے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لکڑی آ سکے۔ مزدُور یہ لکڑی اِسی جنگل سے کاٹ کر لائے ہیں۔ اِس جنگل سے جلانے اور فرنیچر بنانے کے لیے لکڑی حاصل ہوتی ہے۔

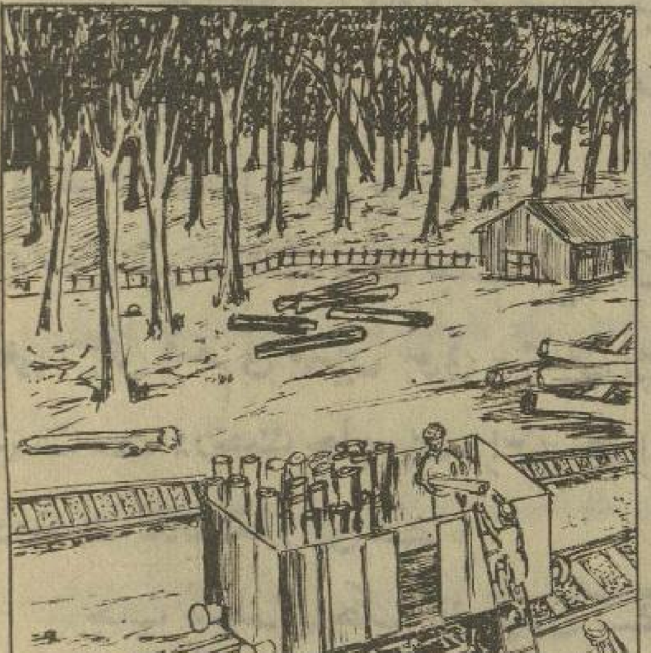

شرُوع شرُوع میں صرف شِیشم کے درخت ہی لگائے گئے تھے۔ شیشم کی لکڑی بہُت کار آمد ہوتی ہے۔ اِس سے گھریلو سامان اور کھیتی باڑی کے لیے ہل، پنجالی، کھُرلی اور رہٹ کا سامان بنایا جاتا ہے۔ اب شہتُوت کے درخت بھی لگائے گئے ہیں۔ اِن کے پتّوں پر ریشم کے کیڑے پالے جاتے ہیں، ٹہنیوں سے ٹوکریاں بنتی ہیں اور بڑی شاخوں کی لکڑی سے کھیلوں کا سامان بنایا جاتا ہے۔

ایسے جنگلات میں سیر و تفریح کا بھی سامان ہوتا ہے۔ وہاں پِکنک منانے کا بہُت لُطف آتا ہے۔ چھانگا مانگا میں ایک جھیل بھی ہے جس میں لوگ کشتی کی سیر کرتے ہیں۔ یہاں ایک چھوٹا سا چڑیا گھر بھی ہے۔

وہاں کچھ ہوٹل بھی ہیں جہاں سے کھانے پینے کی چیزیں خریدی جا سکتی ہیں۔

چھانگا مانگا کی طرح چیچا وطنی (ضلع ساہیوال)، خانیوال (ضلع ملتان) ڈفر (ضلع گجرات) رجانہ (ضلع لائل پور) اور مظفّر گڑھ کے ضلعے میں بھی جنگلات لگائے گئے ہیں۔ اب اِن میں سرس، بکائن، سُنبل اور یوکلپٹس جیسے خُوب صُورت درخت بھی نظر آتے ہیں۔ اِن جنگلات کی بدولت اَب اِرد گِرد کے علاقوں میں زیادہ گرمی نہیں ہوتی اور نہ زیادہ آندھیاں آتی ہیں۔

تھل میں شجر کاری: ضِلع مظفّر گڑھ، ضلع میانوالی اور ضِلع سرگودھا تھل کے وسیع علاقے میں شامل ہیں۔ تھل کے علاقے میں آج سے تقریباً پچّیس سال پہلے ریت ہی ریت تھی۔ میلوں تک کوئی درخت نظر نہیں آتا تھا۔ اِس عِلاقے کو آباد کرنے کے لیے کالا باغ کے قریب دریائے سندھ پر ایک بند بنایا گیا جس کا نام ہمارے محبوب رہنما قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کے نام پر "جناح بیراج" رکھا گیا۔ اِس بند سے نہریں نکالی گئیں، لیکن شرُوع شرُوع میں یہ دِقّت پیش آئی کِہ جب آندھیاں چلتیں تو نہریں اور کھالے ریت سے اَٹ جاتے۔ اِن آندھیوں کو روکنے اور نہروں کو ریت سے محفوظ رکھنے کے لیے اِن کے دونوں طرف درختوں کی قطاریں لگائی گئیں۔ اَب ہم وہاں جِس طرف بھی جائیں ہمیں لہلہاتے کھیت نظر آتے ہیں۔ تھل میں جا بجا درخت لگائے گئے ہیں۔ تقریباً ہر دو گاؤں کے درمیان درختوں کا ایک ذخیرہ ہے جِس میں گاؤں والے اپنے مویشی چراتے ہیں اور اپنی ضرُوریات کے لیے لکڑی حاصل کرتے ہیں۔ کچھ تو بہُت بڑے

بڑے جنگلات بھی لگائے گئے ہیں۔ اِن میں سے عصمت پارک، سبزہ زار اور لیّہ کے جنگلات مشہور ہیں۔

شجرکاری کے ہفتے:۔ ہم پڑھ آئے ہیں کہ ہمارے صُوبے کی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ہاں بھئی! آبادی بڑھے گی تو ہر چیز کا استعمال بھی زیادہ ہوگا۔ درخت جب اِتنے فائدہ مند ہیں تو اِن کی ضرورت بھی بڑھے گی، اِس لیے ہمیں مزید درخت لگانا پڑیں گے۔ ہم سب کو چاہیے کہ اپنے اپنے سکولوں اور گھروں کے صحنوں میں پودے لگائیں، اِنھیں مناسب مقدار میں پانی دیں اور اِس طرح درختوں کی بڑھتی ہُوئی ضرُورت کو پورا کریں۔

محکمۂ جنگلات کی مدد سے ہم سال میں دو مرتبہ نئے پودے لگاتے ہیں۔ ایک فروری میں اور دُوسرے اگست میں۔ تھوڑی سی محنت سے نئے پودے لگ جاتے ہیں۔ ان دنوں محکمۂ جنگلات کے ملازمین پودے اور قلمیں سستے داموں دیتے ہیں اور پودے لگانے کے طریقے بھی بتاتے ہیں، لیکن اصل بات پودے لگانے کی نہیں بلکہ ان پودوں کی حفاظت کی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اِن پودوں کو جانوروں سے بچانے کے لیے اُن کے اِرد گِرد باڑ لگائیں۔

سڑکوں کے دو رویہ درخت لگائے جاتے ہیں تاکہ مسافر سائے میں سفر کر سکیں اور جب تھک جائیں تو ان کی چھاؤں میں آرام کر لیں۔ بس میں سفر کرنے والے بھی اِس چھاؤں کی بدولت لُو سے بچ جاتے ہیں۔ اَب تو ریلوے لائنوں کے ساتھ ساتھ بھی خُوب صُورت درخت لگائے جا رہے ہیں تاکہ کِھڑکیوں سے باہر نظر پڑے تو ہرے بھرے درختوں کو دیکھ کر جی خُوش ہو جائے۔ جب درخت زیادہ لگ جائیں گے تو

کھڑکیوں سے گرد آنے کی بجائے ٹھنڈی ہوا اندر آئے گی اور مسافر تھکن محسوس نہیں کریں گے۔

چراگاہیں : ہمارے صوبے کے جنوب اور جنوب مغربی حصّے میں بارش بہت کم ہوتی ہے۔ اِس لیے اُن علاقوں میں جہاں ابھی تک نہروں کا پانی نہیں پہنچا، وہاں درخت بہت کم پائے جاتے ہیں۔ وہاں صرف

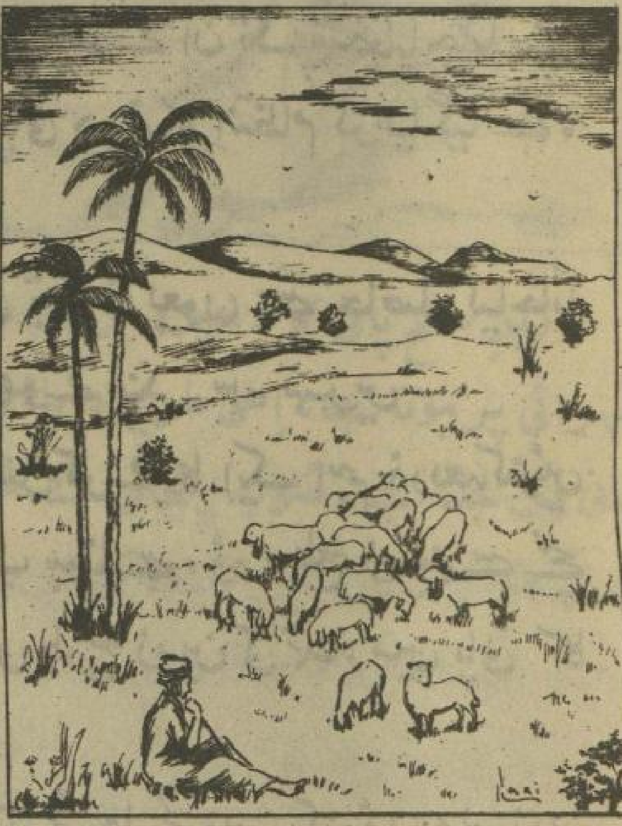

کانٹے دار جھاڑیاں، ببول اور فراش کے درخت پائے جاتے ہیں۔ اِن علاقوں میں گھاس بھی اُگ آتی ہے۔ یہ گھاس اور جھاڑیاں ہی ان علاقوں کی دولت ہے۔ ان چراگاہوں میں لاکھوں بھیڑیں اور بکریاں پالی جاتی ہیں جن سے ہم اون اور گوشت حاصل کرتے ہیں۔ اِن چراگاہوں کی حفاظت بھی بڑی ضروری ہے۔ ہمیں چاہیے کہ چراگاہوں میں باری باری مویشی چرائیں تاکہ گھاس جڑ سے نہ اُکھڑ جائے۔ دوسرے سال یہ چراگاہ پھر ہری ہوجائے گی اور ہمارے کام آئے گی۔

ایسے ریگستانی علاقوں میں کھجور کا درخت عام مِلتا ہے۔ اِس درخت کی جڑیں لمبی ہوتی ہیں تاکہ یہ گہرائی سے بھی پانی حاصل کرسکے۔

ہاں بھئی! درخت چھوٹا ہو یا بڑا، صحرا میں ہو یا پہاڑ پر، گھر میں ہو یا کھیتوں میں ہرجگہ مفید ہے۔

آب پاشی

پنجاب کے میدانی علاقے میں عام طور پر اِتنی بارش نہیں ہوتی کہ فصلوں کے لیے کافی پانی ہو۔ خاص طور سے ربیع کی فصل کے دِنوں میں بارش بہُت کم ہوتی ہے۔ کھیتوں میں پانی کی اِس کمی کو پُورا کرنے کے لیے دُوسرے ذریعوں سے پانی حاصل کر کے ان تک پہنچایا جاتا ہے۔ اِس طرح جِن عِلاقوں میں کھیتوں کو پانی دینے کا اِنتظام کر لیا گیا ہے، وہاں اچّھی فصلیں پیدا ہو رہی ہیں۔

پنجاب میں آب پاشی کے لیے پانی تین ذریعوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ ۱۔ٹیوب ویل اور کنوئیں ۲۔چھوٹے بند ۳۔ نہریں۔

کُنوئیں: زمین کی تہہ سے پانی حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ کنوئیں ہیں۔ بارش کا جو پانی زمین میں جذب ہوتا ہے، وُہ سطح زمین سے نیچے کی چٹانوں میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ اِس طرح زمین کی تہہ میں پانی کا ایک بڑا ذخیرہ رہتا ہے۔

زمین کی کھُدائی کر کے کنوئیں بنائے جاتے ہیں۔ کنوؤں میں زمین کی تہہ سے پانی اکٹھّا ہوتا رہتا ہے۔ اِس پانی کو رہٹ یا پمپ کی مدد سے نکال کر چھوٹی چھوٹی کھالیوں میں کھیتوں تک پہنچّا دیا جاتا ہے۔

رہٹ سے تھوڑا پانی نکالا جا سکتا ہے لیکن جن کنوؤں کے ساتھ پمپ لگے ہوں، وہاں بجلی کی قوّت سے زیادہ پانی نِکل آتا ہے۔ بجلی کے پمپ والے کنوئیں جِنھیں ہم ٹیوب ویل کہتے ہیں، زیادہ گہرائی

سے بھی پانی کو اُوپر کھینچ سکتے ہیں۔ اِس طرح کم محنت سے زیادہ کھیتوں کو پانی مِل جاتا ہے۔

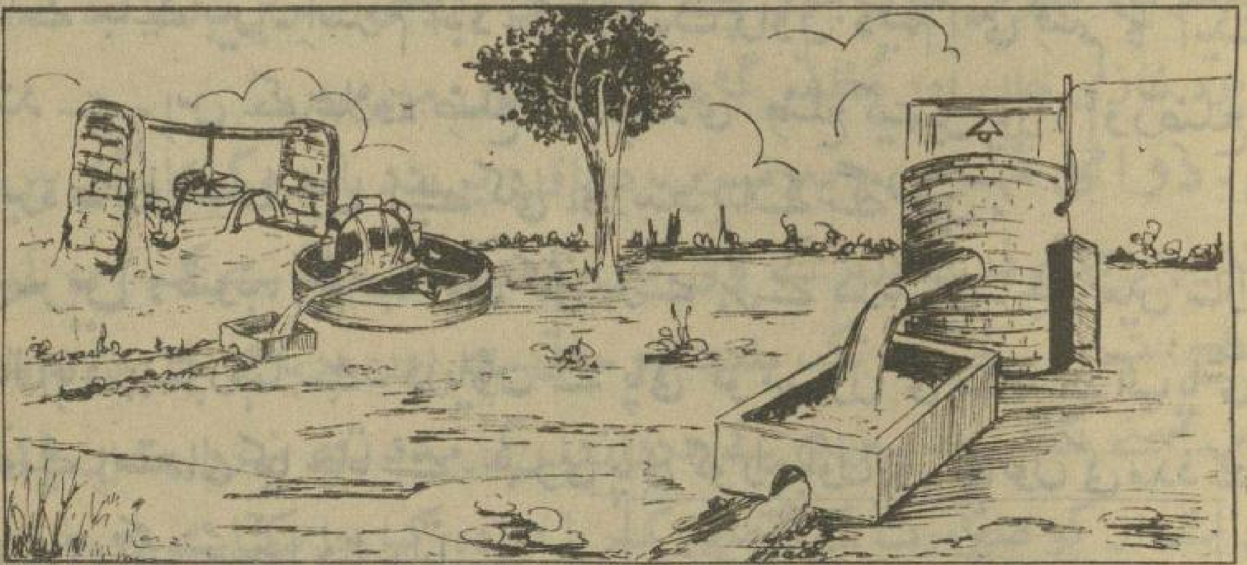

زیرِ سطح پانی کا ذخیرہ، زیادہ بارش والے علاقوں میں نسبتاً کم گہرائی پر ہوتا ہے۔ اِسی طرح دریاؤں کے قریبی علاقوں میں بھی کم گہرائی پر پانی مِل جاتا ہے۔ صُوبہ پنجاب کے شمالی ضلعوں یعنی سیالکوٹ، گجرات، گوجرانوالا وغیرہ میں زیادہ کنوئیں ہیں۔ اِن کے مقابلے میں رحیم یار خاں، بہاول پور وغیرہ میں کنوئیں بہت کم ہیں کیونکہ وہاں پانی حاصل کرنے کے لیے زمین کو زیادہ گہرائی تک کھودنا پڑتا ہے۔

چھوٹے بند: ندیوں اور چھوٹے نالوں پر کسی مناسب جگہ ایسا بند بنا دیا جاتا ہے جس سے بہتا ہُوا پانی رُک جاتا ہے اور بند کے پیچھے پانی کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے۔ بند تعمیر کرتے وقت اِس میں کچھ ایسے دروازے رکھّے جاتے ہیں جنھیں کلوں کی مدد سے اُٹھایا یا گرایا جا سکتا ہے۔ اِس طرح سے جمع ہونے والا پانی ان دروازوں کے راستے نکال کر چھوٹی چھوٹی نہروں میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ پھر ان

نہروں کا پانی کھالوں کی مدد سے کھیتوں تک پُہنچا دیا جاتا ہے۔

چھوٹے بند کم بلند پہاڑی عِلاقے یا سطحِ مُرتفع کے عِلاقے میں بنائے جاتے ہیں۔ اِسلام آباد کے نزدیک راول ڈیم اِسی قِسم کا ایک بند ہے۔ اِس کے علاوہ ضِلع راولپنڈی، ضِلع کیمبل پور، اور ضِلع ڈیرہ غازی خاں میں ایسے کئی اور بند بنائے گئے ہیں۔

نہریں: صُوبہ پنجاب میں کئی بڑے بڑے دریا ہیں۔ جن میں سارا سال پانی بہتا رہتا ہے۔ دریاؤں کے پانی کو نہروں کی مدد سے آب پاشی کے لیے اِستعمال کیا جاتا ہے۔ نہری پانی کو راجباؤں اور کھالوں کی مدد سے کھیتوں تک پُہنچا دیا جاتا ہے۔

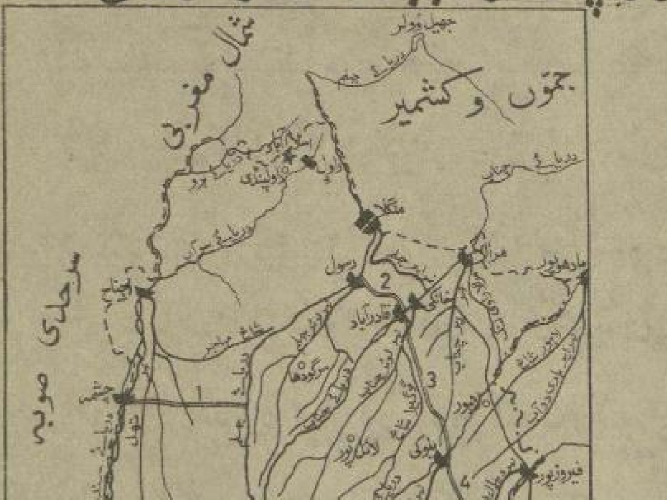

صُوبے بھر میں نہروں کا بہُت اچھا اِنتظام کیا گیا ہے۔ ہمارا نہری نظام دُنیا کے بہترین نظاموں میں سے ہے۔ اِن نہروں کا پانی بارش کی کمی کو پُورا کرتا ہے اور ہماری فصلوں کی پیداوار بڑھاتا ہے۔ بڑی نہریں سینکڑوں مربع کلومیٹر عِلاقے کو سیراب کرتی ہیں۔ پانی کے بہاؤ اور اِستعمال کے لحاظ سے پنجاب میں چار قسِم کی نہریں ہیں۔

۱- سیلابی نہریں: یہ پُرانی قِسم کی نہریں ہیں جن میں صرف برسات کے دِنوں میں پانی آتا ہے۔ بارش کے بعد جب دریا کا پانی چڑھ جاتا ہے تو یہ نہریں خُود بخود چلنے لگتی ہیں۔ ایسی نہریں زیادہ تر ڈیرہ غازی خاں اور مُظفّر گڑھ کے ضِلعوں میں ہیں۔

۲- دوامی نہریں: یہ نہریں، دریاؤں پر بند باندھ کر نکالی گئی ہیں۔ بند یا بیراج کے ذریعے دریا کے پانی کو اِتنا روک لیا جاتا ہے کہ اِس کی سطح، نہروں کے مُنّہ تک بلند ہو جاتی ہے اور دریا کا پانی اِن نہروں میں بہنے لگتا ہے۔ بیراج کے دروازوں کی مدد سے نہروں میں پانی کی مقدار کو ضرُورت کے مُطابق کم یا زیادہ کیا جا سکتا ہے۔ اِس طرح سال کے دوران میں جتنی ضرُورت ہو اُس کے مُطابق پانی نہروں میں چھوڑا جا سکتا ہے۔

۳- غیر دوامی نہریں: یہ ایسی نہریں ہیں جو برسات کے موسم میں خُوب چلتی ہیں، کیونکہ اِن دنوں دریا میں کافی پانی رہتا ہے۔ اِنھیں صِرف اِتنے ہی دن اِستعمال کیا جاتا ہے، جتنے دن دریا میں پانی زیادہ رہتا ہے۔

۴- رابطہ نہریں: پنجاب کے مشرقی دریاؤں، یعنی ستلج اور راوی میں نسبتاً کم پانی ہے؛ دُوسرے یہ دونوں دریا بھارت سے گزر کر ہمارے عِلاقے میں آتے ہیں۔ بھارتی عِلاقے میں بھی اِن دریاؤں سے نہریں نکال کر پانی اِستعمال کیا جاتا ہے، اِس لیے ہمارے عِلاقے میں اِن دریاؤں میں پانی کم ہو جاتا ہے۔ اِس کمی کو پُورا کرنے کے لیے پچھلے چند سال سے صُوبے میں ایسی رابطہ نہریں بنائی گئی ہیں جو مغربی دریاؤں یعنی سِندھ

جہلم اور چناب کا پانی، کم پانی والے مشرقی دریاؤں تک پہنچاتی ہیں۔ اِس طرح صُوبے کے ایسے عِلاقوں میں جہاں پہلے نہری پانی زیادہ نہیں تھا، اَب رابطی نہروں کی بدولت آب پاشی کے لیے کافی پانی پہنچ جاتا ہے۔

آب پاشی کے نقشے میں بڑی بڑی دوامی اور کئی رابطہ نہریں دکھائی گئی ہیں۔ نقشے میں دیکھیں کہ یہ نہریں کِن کِن عِلاقوں کو سیراب کرتی ہیں۔ اِن نہروں کو اور زیادہ بہتر بنایا جا رہا ہے تاکہ ہمیں اپنے کھیتوں کے لیے زیادہ پانی مل سکے۔

کوشِش کی جا رہی ہے کہ دریائے سندھ اور اُس کے معاون دریاؤں میں بہنے والے پانی کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ کر لیا جائے اور ضرورت کے مُطابق پاکِستان کے زیادہ سے زیادہ رقبے کو سیراب کرنے کا انتظام کیا جائے تاکہ پُورے مُلک میں فصلوں کی پیداوار بڑھ جائے۔ دریائے جہلم پر منگلا ڈیم اور دریائے سندھ پر چشمہ بیراج اور تربیلا ڈیم اِسی غرض سے بنائے گئے ہیں۔ ان سے کئی میٹر پانی کا ذخیرہ حاصِل ہُوا ہے۔ بڑے بڑے بیراجوں پر جمع کیے ہُوئے پانی کی مدد سے پن بجلی گھر بھی چلائے جاتے ہیں۔ اِس طرح اِن سے علاوہ آب پاشی کے بجلی بھی پیدا کی جاتی ہے۔

زرعی پیداوار

ہم پڑھ آئے ہیں کِہ ہمارے صُوبے میں زیادہ تر لوگ دیہات میں رہتے ہیں اور کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ پہلے زمانے میں کھیتی باڑی صرف دریاؤں کے نزدیکی عِلاقوں ہی میں ہوتی تھی کیونکہ وہاں آسانی سے پانی حاصل ہو جاتا ہے، لیکن اب نہروں کی بدولت دریا سے دُور علاقوں میں بھی کاشت ہونے لگی ہے۔ جہاں نہریں نہیں پہُنچ سکیں یا نہری پانی کم ہے، وہاں اِس مقصد کے لیے ٹیوب ویل لگا دیے گئے ہیں۔

آپ سوچتے ہوں گے کِہ اِتنے اِنتظامات کے باوجود ہمارے ہاں غلّے کی کمی کیوں ہو جاتی ہے۔ بھئی! اِس کی وجہ یہ ہے کِہ ہمارے صُوبے کی آبادی اب پہلے سے بہُت زیادہ ہو گئی ہے نیز کچُھ زمین سیم کی وجہ سے خراب ہو گئی ہے۔ لیکن ہماری حکومت نے پیداوار بڑھانے کے لیے کئی اِنتظامات کر رکھّے ہیں۔ ہمارے زراعتی تجرباتی ادارے ایسے بیجوں کی تلاش کرتے ہیں جِن سے غلّہ زیادہ پیدا ہو اور فصل بھی جلد پک جائے۔ کیڑے مکوڑے جو ہر سال لاکھوں من غلّہ ضائع کرتے ہیں، اُن کو مارنے کے لیے ایک علیٰحدہ محکمہ قائم کیا گیا ہے جو ہوائی جہازوں کے ذریعے زہریلی دوائیں چھڑکتا ہے، جِس سے فصلوں کو نُقصان پہُنچانے والے کیڑے مَر جاتے ہیں اور فصل خراب نہیں ہوتی۔ کھاد تیار کرنے والے کارخانے دِن رات کام کرتے ہیں تاکہ کِسانوں کو فصلوں کے لیے کھاد بر وقت مِل سکے اور غلّہ زیادہ پیدا ہو۔

آپ نے اپنی اُردو کی کتاب میں پڑھا ہے کہ محنت کی جائے تو ہر مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ ابھی ہمارے صُوبے میں بہُت سی زمین بنجر پڑی ہے جِس کو ٹھیک کر کے اور پانی مُہیّا کر کے کاشت کے قابل بنایا جا سکتا ہے۔ سیم اور تھور سے جو زمین خراب ہو گئی ہے، اُسے بھی دوبارہ کاشت کے قابل بنایا جا سکتا ہے۔ ایک ہی کھیت میں سال میں دو دو، تین تین فصلیں کاشت کر کے کئی گُنا زیادہ غلّہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ فرانس کا نام تو آپ نے سُنا ہی ہوگا۔ اُس مُلک کے کِسان ایک ایکڑ کھیت میں گندم کاشت کر کے ہم سے پانچ گُنا زیادہ فصل حاصل کرتے ہیں۔ بس ہمّت کے آگے فتح ہے۔ ہم بھی اپنے کھیتوں میں محنت کریں گے اور اِتنا غلّہ پَیدا کریں گے جو نہ صرف ہمارے اپنے پیارے مُلک کی آبادی کے لیے کافی ہوگا بلکہ اُن مُلکوں کو بھی بھیجیں گے جہاں غلّہ کم پیدا ہوتا ہے۔

آیئے! اب اپنے صُوبے کی اہم فصلوں کے بارے میں پڑھیں۔

گندم:- ہمارا صوبہ، گندم کی کاشت کے لیے بہُت مشہُور ہے۔ اکتوبر کا مہینا آتا ہے تو کِسان باقی تمام کام چھوڑ کر گندم کے کھیت کی تیّاری میں لگ جاتا ہے۔ آپ صُبح سویرے کھیتوں میں جائیں تو "تت، تت اور آ، آ" کی آوازیں سُننے میں آتی ہیں۔ بیل کِسان کے اشارے پر کبھی ایک طرف چلتے ہیں، کبھی دوسری طرف ہل چلاتے جاتے ہیں۔ اَب تو ٹریکٹر عام ہو گئے ہیں۔ ٹریکٹر سے زمین بہُت جلد تیّار ہو جاتی ہے۔ ہمارے ہاں اب میکسی پاک گندم زیادہ کاشت ہوتی ہے۔ میکسی پاک کی پیداوار گندم کی باقی تمام قِسموں سے زیادہ ہے۔

نہروں اور ٹیوب ویلوں کے ذریعے وقفوں وقفوں سے پانی دیا جاتا ہے۔ ضرورت کے وقت کھاد بھی ڈالتے ہیں۔ اپریل کے مہینے میں فصل پک کر تیار ہو جاتی ہے۔ آج کل تو ایسی مشینیں بھی ہیں جو علاوہ کھڑی فصل کاٹنے کے بھس اور گندم علیحدہ علیحدہ بھی کرتی جاتی ہیں۔ ایسی مشینوں کو "تھریشر" کہتے ہیں۔

ہمارے صوبے میں ویسے تو بیشتر علاقوں میں گندم کاشت کی جاتی ہے لیکن لائل پور، ملتان، ساہیوال، جھنگ، سرگودھا اور گجرات کے اضلاع اس کی کاشت کے لیے زیادہ مشہور ہیں۔

تھریشر فصل کاٹ رہا ہے

جن علاقوں میں نہریں نہیں، وہاں ایسے بیج کاشت کیے جاتے ہیں جنھیں زیادہ پانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ویسے بھی وہاں کے کاشت کار اگست اور ستمبر کے مہینوں میں ہونے والی بارشوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ بارش کے بعد ہل چلا کر سہاگہ پھیر دیتے ہیں، اِس طرح نمی، زمین کے اندر چلی جاتی ہے جس پر گندم کی کاشت کی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ دسمبر اور جنوری کے مہینوں میں کچھ بارش بھی ہو جاتی ہے۔ یہ بارش گندم کی فصل کے لیے بہت مفید ہوتی ہے۔

وُہ فصلیں جو اکتوبر یا نومبر کے مہینوں میں کاشت کی جائیں اور اپریل، مئی کے مہینوں میں کاٹی جائیں، اُنھیں ربیع کی فصلیں کہتے ہیں۔ جَو بھی اِسی موسم میں کاشت کیے جاتے ہیں۔

چنا: جَو سے زیادہ اہم فصل چنے کی ہے۔ چنے کی فصل کو زیادہ پانی کی ضرورت نہیں ہوتی، اِس لیے یہ بارانی علاقوں میں اکثر کاشت کی جاتی ہے۔ اِس کے پکنے کے لیے ایک یا دو ہلکی ہلکی بارشیں ہی کافی ہوتی ہیں۔ سردیوں میں پڑنے والی اوس بھی چنے کی فصل کے لیے مفید ہوتی ہے۔ چنے گھوڑوں اور بکریوں کی مرغوب غذا ہے۔ چنے کی بیسنی روٹی بھی بہت پسند کی جاتی ہے۔ سبز چنے سبزی کے طور پر اِستعمال ہوتے ہیں اور اِن کی پکی ہُوئی کِھچڑی تو بہت مزے دار ہوتی ہے۔ چنے نہری علاقوں میں بھی کاشت کیے جاتے ہیں۔ ان کی کاشت زیادہ تر میانوالی، سرگودھا، ساہیوال، گجرات، جہلم، مُظفّرگڑھ اور ڈیرہ غازی خاں کے ضلعوں میں ہوتی ہے۔

چاول: موسمِ برسات میں کاشت ہونے والی فصلوں کو خرِیف کی فصلیں کہتے ہیں۔ اِنھیں زیادہ پانی کی ضرُورت ہوتی ہے۔ اِن میں چاول بہُت اہم فصل ہے۔ چاول کی کاشت جولائی کے مہینے میں شروع ہوجاتی ہے۔ جب تک فصل نہ پکے، چاول کے کھیت میں موزوں مقدار میں پانی کھڑا رکھنا ضروری ہے۔ چاول کی پنیری جب کھیتوں میں لگائی جاتی ہے، اس وقت بھی کھیتوں میں پانی کھڑا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ چاول کے کھیت میں ہل بھی کھڑے پانی ہی میں چلایا جاتا ہے۔

چاول کے پودے کو ایک قِسم کا کیڑا لگ جانے کا اندیشہ ہوتا

ہے ۔ یہ کیڑا فصل کو بہت نقصان پہنچاتا ہے اس لیے فصل کو اِس کیڑے سے بچانے کے لیے جہازوں کے ذریعے باقاعدگی سے دوا چھڑکی جاتی ہے۔

ہمارے صُوبے میں بہت اعلیٰ قِسم کے چاول کاشت ہوتے ہیں۔ باسمتی چاول جب پک رہے ہوتے ہیں تو اُن کی خُوشبو دُور دُور تک جاتی ہے۔ ہم کروڑوں روپوں کا چاول باہر کے مُلکوں کے ہاتھ بیچ کر زرِمبادلہ کماتے ہیں جس سے مشینیں اور ٹریکٹر وغیرہ خریدتے ہیں اور ملک اور صُوبے کی ترقی میں حصّہ لیتے ہیں ۔

چاول زیادہ تر گوجرانوالا ، شیخوپورہ ، سیالکوٹ اور لاہور کے ضِلعوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اب ضِلع سرگودھا ، گجُرات اور جھنگ میں بھی اِن کی کاشت کافی ہونے لگی ہے ۔

کپاس : کپاس بھی دھان کی طرح خریف کی اہم فصل ہے اور اسے بھی ہم باہر کے مُلکوں کے ہاتھ بیچ کر کروڑوں روپے کماتے ہیں۔ کپاس کی کاشت گندم کی کٹائی کے فوراً بعد شروع ہو جاتی ہے ۔

کپاس کی دو مشہُور قسمیں ہیں ۔ ایک "دیسی" اور دوسری "امریکن" دیسی کپاس کے ریشے لمبے نہیں ہوتے اور نہ زیادہ ملائم ہوتے ہیں ۔ دیسی کپاس لحافوں میں بھرنے کے کام آتی ہے ۔ اِس کپاس سے بھرے ہُوئے لحاف بہت گرم ہوتے ہیں ۔ اِس سے کھیس اور دریاں بھی بنائی جاتی ہیں ۔ امریکن کپاس سے جسے 'نرما' کہتے ہیں، دھاگا اور کپڑے بنائے جاتے ہیں ۔ امریکن کپاس بھی باہر کے مُلکوں کے ہاتھ بیچی جاتی ہے ۔

کپاس زیادہ تر مُلتان ، ساہیوال ، لائل پور، جھنگ ، سرگودھا،

بہاول نگر اور رحیم یار خاں کے ضلعوں میں کاشت کی جاتی ہے۔

جوار اور باجرا: جوار، باجرا عام طور پر بارانی علاقوں میں کاشت کیے جاتے ہیں۔ اِن فصلوں کو زیادہ پانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جوار اور باجرے کو چارے کے طور پر بھی اِستعمال کیا جاتا ہے۔ اِن کے ڈنٹھل خُشک کر کے رکھ لیے جاتے ہیں اور موسم سرما میں مویشیوں کو چارے کے طور پر ڈالے جاتے ہیں۔

گنا: گنا تقریباً سارے سال کی فصل ہے، اسے عام طور پر فروری کے مہینے میں کاشت کیا جاتا ہے۔ اسے زرخیز زمین اور زیادہ پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ گنے سے سفید شکر بنائی جاتی ہے۔ اس کی کاشت زیادہ تر لائل پور، مُلتان، ساہیوال، بہاول نگر، گوجرانوالا، سرگودھا، جھنگ اور گجرات کے ضلعوں میں ہوتی ہے۔

پٹ سن: پٹ سن کے ریشے سے بوریاں، ٹاٹ اور رسّے بنانے کے لیے دھاگا بنایا جاتا ہے۔ اِس فصل کو پانی کی بہُت ضرُورت ہوتی ہے اور اس کے لیے زمین بھی زرخیز چاہیے۔ اب ہمارے صُوبے میں اِس کی کاشت پر خاص توجہ دی جانے لگی ہے۔ اِس کی زیادہ تر کاشت لائل پور اور مظفّر گڑھ کے ضِلعوں میں ہوتی ہے۔

تمباکو: گجُرات، کیمبل پور، سرگودھا اور ساہیوال کے ضلعوں میں تمباکو کی کاشت پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔

مونگ پھلی: مونگ پھلی کی کاشت کے لیے گجُرات، جہلم، راولپنڈی اور کیمبل پور کے ضلعے مشہُور ہیں۔

دالیں: دالیں صُوبے میں تقریباً ہر جگہ کاشت ہوتی ہیں۔

اِس طرح ہمارے صُوبے میں تقریباً ہر قسم کی فصلیں کاشت کی جاتی ہیں۔

ہمارے مویشی

ہم صُوبے کے جس حِصّے میں بھی جائیں گائیں، بیل، بھینسیں، گھوڑے اُونٹ، بھیڑیں اور بکریاں ضرور نظر آئیں گی۔

جانور ہماری بہُت سی ضروریات کو پُورا کرتے ہیں، اس لیے ہم ان سے بہُت پیار کرتے ہیں۔ ان کے جِسم پر پیار سے ہاتھ پھیریں تو یہ جانور جواب میں دُم ہلاتے ہیں۔ اگر ہم بُلائیں تو ہماری طرف بھاگے آتے ہیں۔ کِسانوں کا تو اِن کے بغیر گذارا ہی نہیں۔ ہل چلانے اور رہٹ کھینچنے کے لیے بیل؛ دُودھ، لَسّی اور مکھن کے لیے گائیں اور بھینسیں؛ سفر کے لیے گھوڑے؛ اُون اور گوشت کے لیے بھیڑیں اور بکریاں ہر ایک نے پال رکھّی ہیں۔ شہروں میں بھی دُودھ کے لیے گائیں اور بھینسیں پالی جاتی ہیں، لیکن ہماری بڑھتی ہُوئی آبادی کے لیے ہمیں بہُت سے مویشیوں کی ضرُورت ہے۔

ہم سکول جاتے ہیں، خُوب بھاگتے دوڑتے ہیں، گھر آ کر بھی خاموش نہیں بیٹھتے۔ بھائی، بہنوں سے کھیلتے ہیں یا پھر گلی میں نِکل جاتے ہیں اور بھاگنے دوڑنے والی کھیلوں میں حِصّہ لیتے ہیں۔ گھر کے کام بھی کرتے ہیں۔ اِن سرگرمیوں کے لیے ہمیں اچھی غذا کی ضرُورت ہے۔ یہ غذا ہمیں دُودھ، سبزیوں اور گوشت سے مِلتی ہے۔ دُودھ ایک مکمّل غذا ہے۔ اِس سے ہمارا جسم بڑھتا ہے، ہماری ہڈیاں مضبُوط ہوتی ہیں، گوشت کھانے سے ہم میں اِتنی طاقت آ جاتی ہے کِہ ہم

بیماریوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ دُودھ پینے سے بچّوں کا قد بڑھتا ہے اور وُہ جلد جوان ہو جاتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں ہمیں مویشیوں ہی سے مِلتی ہیں۔ سبزیاں کاشت کرنے کے لیے بھی اِنھیں سے مدد لینا پڑتی ہے۔ ہماری حکومت بھی مویشیوں کی اہمیّت سے غافل نہیں، اِسی لیے حکومت نے اِن کے علاج کے لیے ہسپتال کھولے ہُوئے ہیں۔ نیز مویشی پالنے والوں کو مشورہ دینے کے لیے ایک الگ محکمہ قائم ہے۔ اچھّی نسل کے مویشی پالنے کے لیے فارم بھی قائم کیے گئے ہیں۔

رکھ غلاماں تجرباتی فارم : ضِلع میانوالی میں رکھ غلاماں کے مقام پر مویشیوں کا ایک تجرباتی فارم قائم کیا گیا ہے۔ اِس فارم میں ہر قِسم کے بیل، گائیں اور بھینسیں پالی جاتی ہیں۔ اِن جانوروں کی پرورش اِس طرح کی جاتی ہے کہ گائیں اور بھینسیں زیادہ دُودھ دیں اور بیل موٹے تازے ہو جائیں تاکہ کھیتوں میں زیادہ دیر تک کام کر سکیں اور اِن سے گوشت بھی زیادہ حاصل کیا جا سکے۔ محکمۂ حیوانات کے ماہرین اپنے اِن تجربات سے ان تمام لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں جِنھوں نے گائیں اور بھینسیں پال رکھّی ہیں۔

ہماری حکومت نے مویشیوں کی افزائش کے لیے ضلع میانوالی کے علاوہ قادر آباد اور بہادر نگر (ضلع ساہیوال)، فاضل پور (ضلع کیمبل پور) خُوشاب (ضلع سرگودھا) ہارون آباد (ضلع بہاول نگر) میں فارم کھولے ہُوئے ہیں۔ اوکاڑہ (ضلع ساہیوال) میں ملٹری ڈیری فارم میں بہت اچھّی نسل کی گائیں اور بھینسیں ہیں۔ جرسی نسل کی کچھ گائیں باہر کے ممالک سے منگوائی گئی ہیں۔

اوکاڑہ ڈیری فارم کا مکھن ہماری فوج کی مکھن کی ضروریات کو پُورا کرتا ہے۔ حکومت اُن لوگوں کی جو اپنے فارم قائم کرنا چاہتے ہیں، مدد بھی کرتی ہے اور اُنھیں مشورے بھی دیتی ہے۔ اِن میں سے ضلع ملتان میں جہانگیر آباد فارم اور اللہ داد فارم، عباس شاہ فارم (ضلع ساہیوال) کالرا فارم (ضلع سرگودھا) کالا باغ فارم (ضلع میانوالی) شاہ جیونا فارم (ضلع جھنگ) قابلِ ذکر ہیں۔

ہمارے صُوبے کے نہری علاقوں میں "نیلی راوی نسل کی بھینسیں" اور "ساہیوال نسل کی گائیں" زیادہ دُودھ دینے کے لیے بہُت مشہُور ہیں۔

"دھنی نسل کی گائے اور بیل" کم بارش والے علاقوں میں عام پالے جاتے ہیں کیونکہ یہ خُشک چارا بھی شوق سے کھا لیتے ہیں۔ یہ گائیں دُودھ کم دیتی ہیں۔ اِس نسل کے بیل چُست وچالاک ہونے کی وجہ سے دامنِ کوہ کے چھوٹے چھوٹے علاقوں میں ہَل چلانے کے لیے بہُت مفید ہوتے ہیں۔

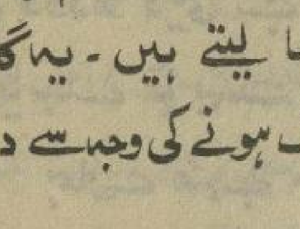

نیلی راوی بھینس

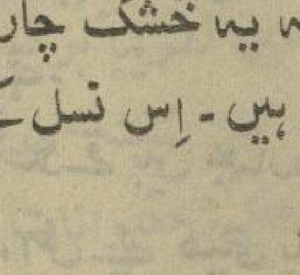

ساہی وال نسل بیل

سرخ سندھی گائے

دھنی نسل بیل

تھری گائے

تھری نسل کی گائے اور بیل ریگستانی علاقے میں پائے جاتے ہیں۔ یہ پانی کی قِلّت برداشت کر لیتے ہیں اور

خُشک چارے پر گذارا کر لیتے ہیں۔ یہ زیادہ تر ضِلع میانوالی، ضِلع رحیم یار خاں اور ضِلع بہاول پور میں پالے جاتے ہیں۔

ضلع مُظفّر گڑھ اور ضلع ڈیرہ غازی خاں میں "داجل" اور "روجھان" نسل کے بیل ملتے ہیں۔ اِن کا جسم بہُت مضبُوط ہوتا ہے اور بیل گاڑیاں بڑی ہوشیاری سے کھینچتے ہیں۔

بھیڑیں : بھیڑ بڑا شریف جانور ہے۔ یہ بکری کی طرح اِدھر اُدھر مُنّہ نہیں مارتی اور خُشک گھاس پر بھی گذارا کر لیتی ہے۔ ہم اِس کا گوشت بھی کھاتے ہیں اور اِس کی اُون سے سویٹر اور گرم کپڑے اور اِس کی کھال سے جُوتے بھی بناتے ہیں۔ بھیڑ بکری کے مقابلے میں کم دُودھ دیتی ہے، البتّہ اِس کا دُودھ بہُت گاڑھا ہوتا ہے۔ اگر اسے بلویا جائے تو بہُت سا مکھّن نِکل آتا ہے۔

ہمارے صُوبے میں ابھی کئی ایسے علاقے ہیں جہاں نہری پانی نہیں مِلتا اور وہاں بارش بھی کم ہوتی ہے، اس لیے کھیتی باڑی نہیں ہو سکتی۔ ایسی جگہوں پر بھیڑیں پالنا اہم پیشہ ہے۔ بھیڑ اچھی بُری گھاس سب کھا لیتی ہے۔ اگر اِس کے نہلانے اور اِسے صاف سُتھرا رکھنے کا مناسب بندوبست ہو تو اِس سے ہم نہایت عُمدہ اور مُلائم اُون حاصل کر سکتے ہیں جسے ہم باہر کے مُلکوں کے ہاتھ بیچ کر لاکھوں روپے کما سکتے ہیں۔ اگر ہم چراگاہوں کی حفاظت کریں اور بھیڑوں کو بیماری سے بچانے سے متعلق تدبیروں پر عمل کریں تو اِن کی تعداد میں بہُت اضافہ ہوسکتا ہے اور اِس طرح گوشت کی کمی کو پُورا کیا جا سکتا ہے۔

بھیڑوں سے اُون عام طور پر دو موسموں میں کاٹی جاتی ہے، ایک دفعہ

موسم بہار میں اور دُوسری مرتبہ موسم خزاں میں۔ موسم بہار میں جو اُون حاصل ہوتی ہے اِس کا رنگ سفید ہوتا ہے اور یہ اُون بہت مہنگے داموں بِکتی ہے۔ موسم خزاں میں حاصل ہونے والی اُون کا رنگ زرد ہوتا ہے۔ لیکن اگر ہم گرمیوں کے مہینوں میں دوپہر کے وقت بھیڑوں کو چھاؤں میں رکھیں، اِنھیں نہلاتے رہیں اور مناسب خوراک دیں تو اُون کا رنگ زرد نہیں پڑے گا اور اِس طرح ہم موسمِ خزاں کی کاٹی ہُوئی اُون بھی مہنگے داموں بیچ سکیں گے۔

حکومت نے باقی مویشیوں کی طرح بھیڑوں کے بھی فارم بنائے ہوئے ہیں۔ اِن میں سب سے بڑا فارم رکھ کھیرے والا (ضلع مظفرگڑھ میں ہے۔ اِس فارم میں تقریباً ہر قِسم کی بھیڑیں پالی جاتی ہیں۔ اس فارم میں بکریوں کی بھی بہُت سی قِسمیں پرورش پاتی ہیں۔ یہ ایک تجرباتی فارم ہے جہاں محکمۂ حیوانات کے ماہرین تجربے کرکے بھیڑیں پالنے والوں کو بھیڑیں پالنے کے بہتر طریقے بتاتے ہیں۔

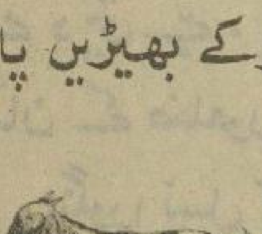
بتیل بکری

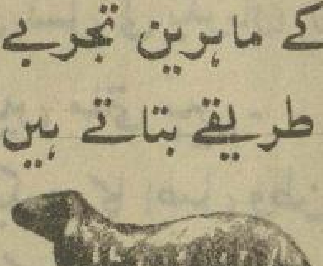
چکی والی بھیڑ

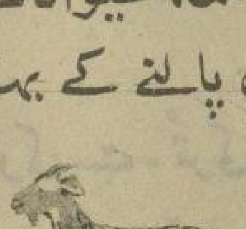
انگورا بکری

قراقلی بھیڑ

لوہی بھیڑ
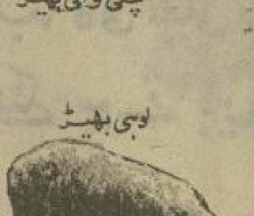

بُچی بھیڑ

ہمارے
صُوبے میں
"لوہی نسل"
کی بھیڑیں
ضِلع لائل پور،
ضِلع سیالکوٹ،
ضِلع گوجرانوالا،

اور ضِلع مُلتان میں ملتی ہیں۔

چکّی والی بھیڑیں خُشک چارے، گھٹیا قِسم کی گھاس اور جڑی بوٹیوں پر گزُارا کر لیتی ہیں، اِس لیے یہ ضِلع مظفر گڑھ، ضِلع میانوالی، ضِلع سرگودھا اور ضِلع جھنگ میں عام پائی جاتی ہیں۔

بُچّی نسل کی بھیڑیں صحرائی علاقے میں پائی جاتی ہیں، اِس لیے اِن کا گھر ضِلع بہاول نگر، ضِلع رحیم یار خاں، ضِلع بہاول پُور اور ضِلع مظفر گڑھ ہے۔

ضِلع مظفر گڑھ میں قراقلی بھیڑیں بھی پالی جاتی ہیں۔ اِن بھیڑوں کی اُون کا ریشہ لمبا اور ملائم ہوتا ہے۔

بیتل نسل کی بکری دُودھ دینے کے لیے پالی جاتی ہے۔ اِس کے جسم پر سیاہ سفید دھبّے ہوتے ہیں۔ دونوں وقت تین چار سیر دُودھ دے دیتی ہے۔ اِس نسل کی بکریاں لاہور، گوجرانوالا، ساہیوال اور مُلتان کے ضلعوں میں ملتی ہیں۔

انگورا نسل کی بکری کا اصل وطن تُرکی ہے۔ تُرکی میں ہمارے مُسلمان بھائی بستے ہیں، ہمیں اُن سے بہُت پیار ہے۔ انگورا نسل کی بکری کے بال بڑے ملائم، لِٹیں چمکدار اور لمبی لمبی ہوتی ہیں، اِن بالوں کو موہیر کہتے ہیں جو سال میں دو مرتبہ کاٹی جاتی ہے۔ اِس بکری کا قد چھوٹا، کان پتلے اور بالوں سے باہر لٹکے ہوتے ہیں۔ یہ نسل گوشت اور موہیر دونوں کے لیے مشہُور ہے۔

گھوڑے: گھوڑا ہمارے صُوبے کا بہُت مُفید جانور ہے یہ تانگے اور ریڑھے کھینچتا ہے۔ لوگ اِس پر سواری بھی کرتے ہیں۔ نیزہ بازی کے

شوقین، بلوچی نسل کے گھوڑوں کو بہت پسند کرتے ہیں۔ انمول نسل کے گھوڑے ضِلع سرگودھا میں ملتے ہیں۔ فوج کے استعمال کے لیے تھارو برِیڈ نسل کے گھوڑے بھی پالے جاتے ہیں۔

اُونٹ : اُونٹ ویسے تو صحرائی عِلاقے کا جانور ہے اور کئی کئی دن بغیر کھائے پیے گزارا کر لیتا ہے، لیکن یہ جانور ہمارے صُوبے کے اکثر حصّوں میں مِلتا ہے۔ پہاڑی نسل کے اُونٹ ضلع جہلم، ضِلع راولپنڈی، ضلع کیمبل پور اور ضلع ڈیرہ غازی خاں کے دُشوار گزار علاقوں میں بھاری سامان اُٹھائے پھرتے نظر آتے ہیں۔ تھلی اونٹ، ریگستانی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ بہت دن پانی کے بغیر رہ سکتے ہیں۔ میدانی علاقوں میں پائے جانے والے اُونٹ کو پنجابی نسل کا اُونٹ کہتے ہیں۔ اِس کا قد بڑا ہوتا ہے اور پہاڑی اور تھلی اُونٹ کی نسبت بھاری بھر کم ہوتا ہے۔

معدنیات

یہ تو ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سطح زمین پر بہت سی نعمتیں عطا کی ہیں۔ ہمارے صُوبے کی زمین زرخیز ہے۔ یہاں ایسے دریا ہیں جن میں سارا سال پانی بہتا رہتا ہے۔ اِن دریاؤں سے نہریں نکال کر ہم اپنے کھیتوں کو پانی دیتے ہیں اور بہت سی فصلیں کاشت کرتے ہیں۔ قُدرتی جنگلات سے لکڑی حاصل کر کے اپنی بعض ضرُوریات کو پورا کرتے ہیں۔ گھاس پر لاکھوں مویشی چراتے ہیں جن سے دُودھ، گوشت، چمڑا اور اُون وغیرہ حاصل کرتے ہیں۔ اِسی طرح محنت کرنے والوں کے لیے زمین کے اندر بھی بے پناہ خزانے موجود ہیں جِنھیں معدنیات کہتے ہیں۔ اِن معدنیات کو زمین کھود کر حاصل کیا جاتا ہے۔ کئی دفعہ تو ہزاروں میٹر زمین کے اندر جانا پڑتا ہے، پھر کہیں جا کر معدنیات ملتی ہیں۔ لیکن جب ہماری محنت ٹھکانے لگتی ہے تو کہیں تو عام اِستعمال کی چیزیں مثلاً مٹّی کا تیل، کوئلہ اور لوہے جیسی مفید چیزیں ملتی ہیں اور کہیں سونا، چاندی، ہیرے اور پلاٹینم جیسی قیمتی دھاتیں مِلتی ہیں۔

آیئے آج ہم اپنے صُوبے میں ملنے والی معدنیات کے بارے میں پڑھیں اور دیکھیں کہ یہ ہمارے کِس کِس کام آتی ہیں۔

نمک: نمک ہم ہر روز استعمال کرتے ہیں۔ اگر سالن میں نمک کم رہ جائے تو کھانے کا مزہ نہیں آتا۔ نمک ہمارے جسم کے لیے بھی ضروری ہے اور

یہ بہت سی دواؤں میں بھی اِستعمال ہوتا ہے۔ ہمارے صُوبے میں نمک کھیوڑہ (ضلع جہلم)، کالا باغ (ضلع میانوالی) اور وڑچھا (ضلع سرگودھا) میں مِلتا ہے۔ کھیوڑہ میں دُنیا کی سب سے بڑی نمک کی کان ہے۔

کوئلہ کوئلہ مکڑوال (ضلع میانوالی) چھوئی بنگلہ (ضلع کیمبل پور) خان پور، چوہا سیدن شاہ، کھیوڑہ، پڈھ، ڈنڈوت، ڈھلوال، بشارت، سیکّی آڑہ، منارہ، دینہ (ضلع جہلم) پیل، کٹھہ (ضلع سرگودھا) اور راکھی مون (ضلع ڈیرہ غازی خاں) میں مِلتا ہے۔

یہ کوئلہ زیادہ اچھی قِسم کا نہیں، بُھر بھرا سا ہوتا ہے۔ اس کوئلے کو چونے کی بَھٹّیوں اور اینٹوں کے بَھٹّوں میں اِستعمال کرتے ہیں۔

مٹّی کا تیل ڈھلیاں، تت، میال، کھوڑ (ضلع کیمبل پور)، چکوال، بالکسر اور کرسال (ضلع جہلم) میں مِلتا ہے۔ یہ جب زمین سے نکالا جاتا ہے تو صاف نہیں ہوتا۔ اس تیل کو لوہے کی پائپوں کے ذریعہ راولپنڈی پہنچایا جاتا ہے۔ راولپنڈی میں مورگاہ کے مقام پر تیل صاف کرنے کا کارخانہ ہے۔ اس کارخانے میں تیل صاف ہوتا ہے جسے پھر مُلک کے باقی حصّوں میں پُہنچایا جاتا ہے۔

مِٹّی کے تیل کی تلاش کے لیے آزمائشی کُنوئیں کھودے جا رہے ہیں۔ اب ڈیرہ غازی خاں میں بھی تیل کے ذخیرے ملے ہیں۔ وہاڑی (ضلع ملتان) میں بھی تیل کی تلاش کی جا رہی ہے۔ اِنشاء اللہ ہماری محنت ٹھکانے لگے گی اور بہت سا تیل مِل جائے گا۔

قدرتی گیس قدرتی گیس جلانے کے کام آتی ہے اور بہت سی حرارت دیتی ہے۔ یہ گیس کارخانوں اور گھروں میں ایندھن کے طور پر اِستعمال

کی جاتی ہے۔ یہ گیس ہمارے صُوبے میں ضلع کیمبل پور میں تت، ڈھلیاں اور ضلع جہلم میں بالکسر کے مقام سے نکلتی ہے۔ حال ہی میں ڈیرہ غازی خاں میں گیس کا ایک خاصا ذخیرہ مِلا ہے جس کو اِستعمال کیا جائے گا۔ اِس وقت ہمارے صُوبے میں یہ گیس کوئی زیادہ مقدار میں نہیں نکلتی، اِس لیے ہم جو گیس استعمال کر رہے ہیں وُہ زیادہ تر ہمارے ہمسایہ صُوبہ بلوچستان سے آتی ہے۔

لوہا لوہا بہُت کام کی چیز ہے، ضلع میانوالی میں چچالی اور کُلہ خیل کے مقام پر لوہا ملتا ہے۔ اِسی لیے کالا باغ (ضلع میانوالی) میں فولاد بنانے کا کارخانہ زیرِ غور ہے۔ ڈیرہ غازی خاں میں بھی راکھی مُون کے مقام پر لوہا مِلتا ہے۔ وہاں بھی فولاد بنانے کا کارخانہ لگایا جائے گا۔

چُونے کا پتھّر چُونے کا پتھر، سیمنٹ بنانے کے کام آتا ہے۔ یہ موسیٰ خیل (ضلع میانوالی)، واہ (ضلع راولپنڈی) جبّی، جوہر آباد اور شاہین آباد (ضلع سرگودھا)، کھیوڑہ، ڈنڈوٹ، آڑہ، چوآسیدن شاہ، رنوچھہ (ضلع جہلم) اور سخی سرور (ضلع ڈیرہ غازی خاں) میں ملتا ہے۔

جپسم جپسم بڑے کام کی دھات ہے، اِسے کھاد بنانے اور سیمنٹ بنانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ کھیوڑہ، آڑہ اسمٰعیل وال، ڈنڈوت، (ضلع جہلم)، موسیٰ خیل (ضلع میانوالی) اور راکھی مُون (ضلع ڈیرہ غازی خاں) میں ملتا ہے۔

سیلیکا ریت شیشہ بنانے والی ریت چچالی، ڈٹا، کالا باغ، پائی خیل، بوری خیل (ضلع میانوالی) اور خوشاب (ضلع سرگودھا) میں ملتی ہے۔

ڈولامائیٹ ڈولامائیٹ بھی چُونے کے پتھّر کی قِسم ہے۔ یہ ضِلع

میانوالی میں ملتا ہے۔ یہ لوہا بنانے کے کام آتا ہے۔

چائنا مٹی یہ سفید رنگ کی مٹی ڈنڈوت کے مقام پر ملتی ہے اور برتن بنانے کے کام آتی ہے۔

ایٹمی توانائی کی دھات یہ دھات ضلع ڈیرہ غازی خاں میں کافی مقدار میں ملی ہے۔ یہ بہت قیمتی دھات ہے ڈیرہ غازی خاں میں ایک ایٹمی مرکز قائم ہو رہا ہے جس میں یہ دھات استعمال ہو گی۔

بجری بجری عمارتیں بنانے کے کام آتی ہے۔ یہ برہان پور، لارنس پور، حسن ابدال (ضلع کیمبل پور) ماڑی انڈس (ضلع میانوالی) سنجانی اور ٹیکسلا (ضلع راولپنڈی) خوشاب اور جوہر آباد (ضلع سرگودھا) چنیوٹ، ربوہ، چک نمبر ۱۰ اور چک نمبر ۱۱ (ضلع جھنگ) شاہ کوٹ اور سانگلہ ہل (ضلع شیخوپورہ) میں ملتی ہے۔ ضلع راولپنڈی میں بھی سوآں کیمپ اور مرگلہ میں ریت بجری ملتی ہے جو عمارتیں بنانے کے کام آتی ہے۔

ابھی معدنیات تلاش کرنے میں بہت محنت اور تربیت کی ضرورت ہے۔ معدنیات جتنی زیادہ نکلیں گی اتنا ہی ہمارا ملک ترقی کرے گا۔

کارخانے اور گھریلو صنعتیں

یہ بات تو تیسری جماعت میں بتائی جا چکی ہے کہ جتنے کارخانے اور گھریلو صنعتیں زیادہ ہوں گی، اتنا ہی لین دین زیادہ ہوگا، میل ملاپ بڑھے گا، ہمارے پاس زیادہ پیسے ہوں گے، ہم اچھے مکان بنائیں گے، اچھے کپڑے پہنیں گے، اچھے سکول بنائیں گے اور اچھی تعلیم حاصل کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جن مُلکوں میں کارخانے زیادہ ہیں وہاں کے رہنے والے لوگ امیر ہیں۔ اپنے کارخانوں میں بنی ہُوئی چیزیں دُوسرے مُلکوں کو بھیجتے ہیں اور خوب رُوپیہ کماتے ہیں۔

کارخانوں کا ایک اور بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں ہزاروں کارکُن کام کرتے ہیں۔ اُنھیں اُن کی محنت کا معاوضہ مِلتا ہے جس سے وُہ اپنے بال بچّوں کی ضرُوریات کو پُورا کرنے کے ساتھ ساتھ ملک کی ترقّی میں حصّہ لیتے ہیں۔ جو چیزیں یہاں بنتی ہیں اب ہم باہر سے نہیں منگواتے، اِس طرح ہم اپنا روپیہ بچا لیتے ہیں۔ جب ہم اپنی ضرُوریات سے زیادہ چیزیں بنانے لگ جاتے ہیں تو وُہ چیزیں باہر کے ملکوں کے ہاتھ بیچ کر زرِ مبادلہ کماتے ہیں جس سے اور مشینیں خریدتے ہیں اور مزید کارخانے لگاتے ہیں۔ اِن کارخانوں کی وجّہ سے بہت سے لوگوں کو روزگار بھی مِل جاتا ہے۔ صرف ریلوے ورکشاپ، لاہور ہی میں ایک لاکھ کے قریب کارکن کام کرتے ہیں۔

آپ نے اپنے ضلعے کے کارخانوں کی سیر تو تیسری جماعت میں کی تھی۔

آیئے اب اپنے صُوبے کے کارخانوں کے بارے میں پڑھیں۔

سُوتی کپڑا بنانے کے کارخانے ہمارے صُوبے میں سُوتی کپڑا بنانے کے کارخانے لائل پور، سرگودھا، ساہیوال، ملتان، رحیم یار خاں، میانوالی مظفر گڑھ اور شیخوپُورہ میں لگائے گئے ہیں۔ ہم اپنی ضرُورت سے کہیں زیادہ سُوتی دھاگا اور سُوتی کپڑا بناتے ہیں اور باہر کے ملکوں کے ہاتھ بیچ کر کروڑوں روپے کماتے ہیں۔

ریشمی کپڑا بنانے کے کارخانے ہم پڑھ آئے ہیں کہ شہتُوت کے پتّوں پر ریشم کے کیڑے پالے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کیڑے اپنے مُنہ سے ایک لعاب نکالتے ہیں جس سے ریشمی دھاگا بنتا ہے، اسے اصلی ریشم کہتے ہیں۔ اصلی ریشم بہت کم مقدار میں ملتا ہے، اِس لیے زیادہ تر کپڑا مصنوعی ریشمی دھاگے ہی سے بنایا جاتا ہے۔ ضلع شیخوپُورہ میں مرید کے کے قریب "ریان" دھاگا بنانے کی فیکٹری ہے۔ ریان سے ریشمی کپڑا بنایا جاتا ہے۔ ہمارے صُوبے میں ریشمی کپڑا بنانے کے کارخانے لائل پور اور گوجرانوالا میں قائم کیے گئے ہیں۔

اُونی کپڑا بنانے کے کارخانے ہمارے صُوبے میں نیم پہاڑی اور ریگستانی علاقوں میں بہت سی بھیڑیں پالی جاتی ہیں۔ اِن بھیڑوں سے بڑی ملائم اور عُمدہ قِسم کی اُون حاصل کی جاتی ہے۔ اس اُون کو کارخانوں میں صاف کر کے خُوب صورت رنگوں میں رنگ لیا جاتا ہے۔ پھر ان سے سویٹر بُننے کے لیے اُون، گرم کپڑے، کمبل اور گرم چادریں بنائی جاتی ہیں۔

ضلع کیمبل پور میں لارنس پور کے مقام پر اُونی کپڑا بنانے کا ایک بہت بڑا کارخانہ ہے جس میں بہت عُمدہ قِسم کا گرم کپڑا بنایا جاتا

ہے۔ اِس کارخانے کے علاوہ جھنگ، راولپنڈی اور ملتان میں بھی کمبل، اُونی دھاگا اور کھُردرا اُونی کپڑا بنانے کے کارخانے لگائے گئے ہیں۔

کھانڈ بنانے کے کارخانے ہمارے صُوبے کے نہری علاقوں میں گنّے کی کاشت کی جاتی ہے۔ گنّے کے رس سے سفید کھانڈ بنائی جاتی ہے۔ کھانڈ بنانے کے کارخانے لاہور، لائل پور، جھنگ، سرگودھا، گجرات، مُظفّرگڑھ، رحیم یار خاں، بہاول نگر اور گوجرانوالا کے ضلعوں میں لگائے گئے ہیں۔ ان کارخانوں میں جائیں تو گیٹ کے باہر ہی گنّے سے لدے ہُوئے ٹرک، گڈّے اور ریڑھے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہاں گنّے کو تول کر کارخانے میں بھیج دیا جاتا ہے اور گنّے کے مالک رُوپے لے کر اپنے اپنے گھروں کی راہ لیتے ہیں۔

کھاد بنانے کے کارخانے ہمارا صُوبہ زراعت کے لیے مشہور ہے۔ زیادہ فصل حاصل کرنے کے لیے کھاد بہت ضرُوری چیز ہے۔ پہلے ہم باہر سے کھاد منگوایا کرتے تھے، لیکن اَب ہمارے صُوبے میں کئی ایک کارخانے قائم ہو گئے ہیں۔ آپ نے "ببر شیر یوریا" کا نام تو سُنا ہوگا۔ یہ کھاد کی ایک قِسم کا نام ہے اور جس کارخانے میں یہ کھاد تیار کی جاتی ہے، وُہ ضلع شیخوپُورہ میں واقع ہے۔ اِس کے علاوہ داؤد خیل، ملتان اور لائل پور میں بھی کھاد بنانے کے کارخانے قائم کیے گئے ہیں۔

لوہے سے سامان بنانے کے کارخانے بھئی! یہ ساری مشینیں، یہ ٹریکٹر، عمارتوں کا سریا حتّٰی کہ سُوئی سے لے کر انجنوں تک تمام چیزیں لوہے کی بنی ہُوئی ہیں۔ سب سے اچّھا لوہا فولاد کہلاتا ہے۔ ہمارے صوبے میں کالا باغ کے مقام پر فولاد کا کارخانہ لگانے کا

منصوبہ زیرِ غور ہے۔ اِس وقت لوہے کا سامان بنانے کے لیے لاہور میں کئی کارخانے ہیں، جن میں ریلوے ورکشاپ اور "پیکو" بہت مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ ٹیکسلا کے مقام پر بھاری مشینیں بنانے کا کارخانہ بن گیا ہے۔ جب یہاں فولاد بننے لگے گا تو ہم تمام قِسم کی مشینیں اپنے صُوبے ہی میں بنائیں گے۔

سیمنٹ بنانے کے کارخانے سیمنٹ، چُونے کے پتھّر اور جپسم سے بنایا جاتا ہے۔ ہمارے صُوبے میں سیمنٹ بنانے کے کارخانے ضِلع راولپنڈی، ضِلع میانوالی، ضِلع جہلم اور ضِلع ملتان میں لگائے گئے ہیں۔

چاول چھڑنے کے کارخانے ضِلع گوجرانوالا، ضِلع سیالکوٹ، ضِلع شیخوپورہ اور ضِلع لاہور میں لگائے گئے ہیں۔ اِن عِلاقوں میں بہت عُمدہ قِسم کا باسمتی چاول پیدا ہوتا ہے۔ ہم یہ چاول باہر کے مُلکوں کو بھی بھیجتے ہیں اور اِس سے کروڑوں روپے کماتے ہیں۔

آٹا پیسنے کے کارخانے تقریباً ہر ضِلعے کے بڑے بڑے شہروں میں ملتے ہیں تاکہ آٹا آسانی سے مِل سکے۔

دُودھ خُشک کرکے ڈبوں میں بند کرنے کے لیے بھلوال (ضلع سرگودھا) اور رینالہ خُورد (ضلع ساہیوال) میں کارخانے لگائے گئے ہیں۔

پٹ سن سے مختلف مصنوعات بنانے کے کارخانے اب ہمارے صُوبے میں پٹ سن کی کاشت کو بہت رواج دیا جا رہا ہے۔ پٹ سن سے بوریاں، رسّے، رسیّاں، ٹاٹ اور قالین وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ پٹ سن سے دھاگا بنانے اور بوریاں بنانے کے کارخانے جڑانوالا اور مُظفّر گڑھ میں لگائے گئے ہیں۔

بجلی کے پنکھے بنانے کے کارخانے پاکستان کے بنے ہُوئے بجلی کے پنکھے بہت پائیدار ہیں - یہ بہت عرصہ چلتے رہتے ہیں اور خراب نہیں ہوتے۔ خانہ کعبہ اور مسجدِ نبوی میں پاکستانی ساخت کے پنکھے لگے ہوئے ہیں۔ اکثر مُسلمان ممالک ہم سے پنکھے منگواتے ہیں۔ بجلی کے پنکھے بنانے کی صنعت میں ضِلع گجُرات بہت مشہُور ہے۔ ضِلع گجرات کے علاوہ گوجرانوالا، سیالکوٹ اور لاہور کے ضلعوں میں بھی بہت اچھی قِسم کے پنکھے بنتے ہیں۔

بناسپتی گھی تیار کرنے کے کارخانے: جُوں جُوں ہمارے صُوبے کی آبادی بڑھتی جا رہی ہے، دیسی گھی ہمارے لیے ناکافی ہوتا جا رہا ہے۔ اس لیے اب زیادہ تر گھی، بنولوں سے بنایا جاتا ہے، اسے بناسپتی گھی کہتے ہیں۔ بناسپتی گھی تیّار کرنے کے کارخانے لائل پور، شیخوپُورہ، ساہیوال، راولپنڈی گجُرات اور رحیم یار خاں کے اضلاع میں لگائے گئے ہیں۔

گھریلو صنعتیں

جہاں ہمارے صُوبے کی ترقّی کے لیے کارخانے ضرُوری ہیں، وہاں گھریلو صنعتوں کی اہمیّت بھی بہت زیادہ ہے۔ ہم اپنے گھر بیٹھے بٹھائے کام کر سکتے ہیں۔ ہمارے دیہات میں کسانوں کے پاس فارغ وقت بھی ہوتا ہے۔ اگر ہم اِس فارغ وقت میں دستی کام کریں یا بجلی سے چلنے والی چھوٹی چھوٹی مشینیں لگا کر کام کریں تو خُوش حال ہو سکتے ہیں۔ ہم خُوش حال ہوں گے تو ہمارا مُلک بھی خوش حال ہو گا۔ بہت سے کارکن گھریلو صنعتوں میں لگ جائیں گے اور اِس سے بے روزگاری کا مسئلہ

بھی حل ہو جائے گا۔

ہمارے صُوبے میں بعض علاقوں نے بعض کاموں میں خاص شُہرت حاصِل کر لی ہے اور وہاں کی ہاتھ سے بنی ہُوئی چیزیں باہر کے مُلکوں میں بھی بھیجی جاتی ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہاتھ سے چیزیں اِتنی عُمدہ اور اِتنی زیادہ بنائیں کہ باہر کے مُلک ہم سے یہ چیزیں خریدیں۔ اِس طرح ہم لاکھوں روپے کمائیں گے اور مُلک کی ترقّی میں حصّہ لیں گے۔

کھڈیوں پر کپڑا بُننا : آج سے چند سال پہلے ہمارے جولاہے ہاتھ سے چلنے والی کھڈیوں پر کام کرتے تھے اور کھدّر بناتے تھے، لیکن اَب تو جابجا بجلی سے چلنے والی کھڈیاں لگ گئی ہیں۔ لائل پُور اور گوجرانوالا کے ضِلعوں میں جہاں بھی جائیں "کھٹ کھٹ" کی آواز گھروں سے سُنائی دیتی ہے۔ ایک کمرے میں تین چار کھڈیاں لگ سکتی ہیں۔ گھر والے باری باری اِن پر کام کرتے رہتے ہیں اور یُوں ایک دن میں بہت سا کپڑا بنا لیتے ہیں۔ یہ موٹا کپڑا باہر کے ملکوں میں بہت پسند کیا جاتا ہے۔ اِن ضِلعوں کے علاوہ اَب تو باقی جگہوں پر بھی کھڈیوں پر ہر قِسم کا کپڑا بنایا جاتا ہے۔ لائل پُور میں ہوزری کا بہت عُمدہ سامان بنایا جاتا ہے۔

گوجرانوالا میں بجلی کی کھڈیوں پر بہت عُمدہ قِسم کا ریشمی کپڑا بھی بنایا جاتا ہے۔ کھڈی پر بنا ہُوا کپڑا کسی بڑی فیکٹری کے بنے ہُوئے کپڑے سے گھٹیا نہیں ہوتا۔ کھیس، چادریں، لُنگیاں بھی کھڈیوں پر بنائی جاتی ہیں۔ یہ کھڈیاں ہاتھ سے بھی چلتی ہیں اور بجلی سے بھی۔

ضِلع مظفّرگڑھ ، ضِلع سرگودھا ، ضِلع ملتان اور ضِلع بہاول نگر میں عُمدہ قِسم کے کھیس دریاں ، چادریں اور لُنگیاں بُنی جاتی ہیں۔ سیالکوٹ میں کھیلوں کا سامان، چینی کے برتن ، سٹین لیس سٹیل کے برتن اور ڈاکٹری کے اوزار بڑے اعلیٰ معیار کے بنتے ہیں۔ گوجرانوالا میں بھی چینی کے برتن ، سٹین لیس سٹیل کے برتن ، ٹرنک ، چُھریاں ، کانٹے وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔

ضِلع میانوالی ، ضِلع رحیم یار خاں ، ضِلع بہاول پور اور ضِلع سرگودھا میں بڑی عُمدہ قِسم کے مٹّی کے برتن بنائے جاتے ہیں۔ کچُھ برتن تو اِتنے باریک ہوتے ہیں کہ انھیں "کاغذی برتن" کہتے ہیں۔ بہاول پور میں برتنوں پر نقش و نگار بھی کیا جاتا ہے۔ مُلتان اور بہاول پور میں اُونٹ کی کھال سے لیمپ شیڈ بنائے جاتے ہیں۔

مُلتان ، بہاول پور ، بہاول نگر ، رحیم یار خاں ، مُظفّر گڑھ اور ڈیرہ غازی خاں کے ضِلعوں میں کھجُور کے پتّوں سے ٹوکریاں اور چٹائیاں وغیرہ بنائی جاتی ہیں۔ اِن ضِلعوں میں سرکنڈے کی تیلیوں سے بھی ٹوکریاں ، چنگیریں اور چٹائیاں بنائی جاتی ہیں۔ کیمبل پور کے تلّے

کارخانے کی تصویر

کے جوتے اور قصور کے دیسی جوتے بہت مشہور ہیں۔ جھنگ اور کیمبل پور میں گرم کمبل اور پٹو بنائے جاتے ہیں۔

چنیوٹ، احمد پور، عیسیٰ شاہ، (ضلع جھنگ) سلانوالی اور ساہیوال (ضلع سرگودھا) ملتان اور گجرات کے شہروں میں بھی لکڑی کا بہت عمدہ قسم کا کام ہوتا ہے۔

ذرائع آمد و رفت

بچّوں کو گرمیوں کی چھٹیّوں کا بے تابی سے اِنتظار تھا۔ اِدھر چھٹّیاں شروع ہوئیں، اُدھر اکثر بچّے اپنی کتابیں اور چھٹیوں کا کام ساتھ لیے اپنے رشتہ داروں کے ہاں چل دیے۔

ریلیں | چھٹیاں ختم ہوئیں تو سکولوں میں وہی گہما گہمی شروع ہوگئی۔ جب استاد صاحب کمرۂ جماعت میں داخل ہُوئے تو بچّوں نے زور سے السّلام علیکم کہا اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ اُستاد صاحب سمجھ گئے کہ بچّے ایک دُوسرے کو چھٹیّوں کے بارے میں بتا رہے ہیں۔

اُستاد صاحب بچّوں کا جوش و خروش دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اُنھوں نے الماری میں سے صُوبہ پنجاب کا دیواری نقشہ نکالا اور اُسے سامنے دیوار پر لٹکا دیا۔ نقشے کو دیکھ کر بچّوں کی دلچسپی اور بڑھ گئی کیونکہ وُہ نقشے پر اُن سڑکوں اور ریلوے لائنوں کے نشانات دیکھنا چاہتے تھے جن پر انھوں نے سفر کیا تھا۔

اُستاد صاحب نے سب سے پہلے اَسلم سے کہا کہ وُہ اپنے سفر کا حال سُنائے۔ اسلم جھٹ کھڑا ہو گیا اور دیوار پر لٹکے ہوئے نقشے کے قریب آیا۔ اُس نے بتایا کہ چھٹیوں میں وُہ اپنی بڑی باجی کے ہاں گیا تھا۔ اُس کی باجی صادق آباد میں رہتی ہیں۔

اُس نے بتایا کہ وُہ اپنی امّی کے ساتھ صبح کے وقت لاہور سے خیبر میل میں سوار ہُوا اور شام کے وقت صادق آباد پہنچ گیا۔ یہ گاڑی بہت تیز

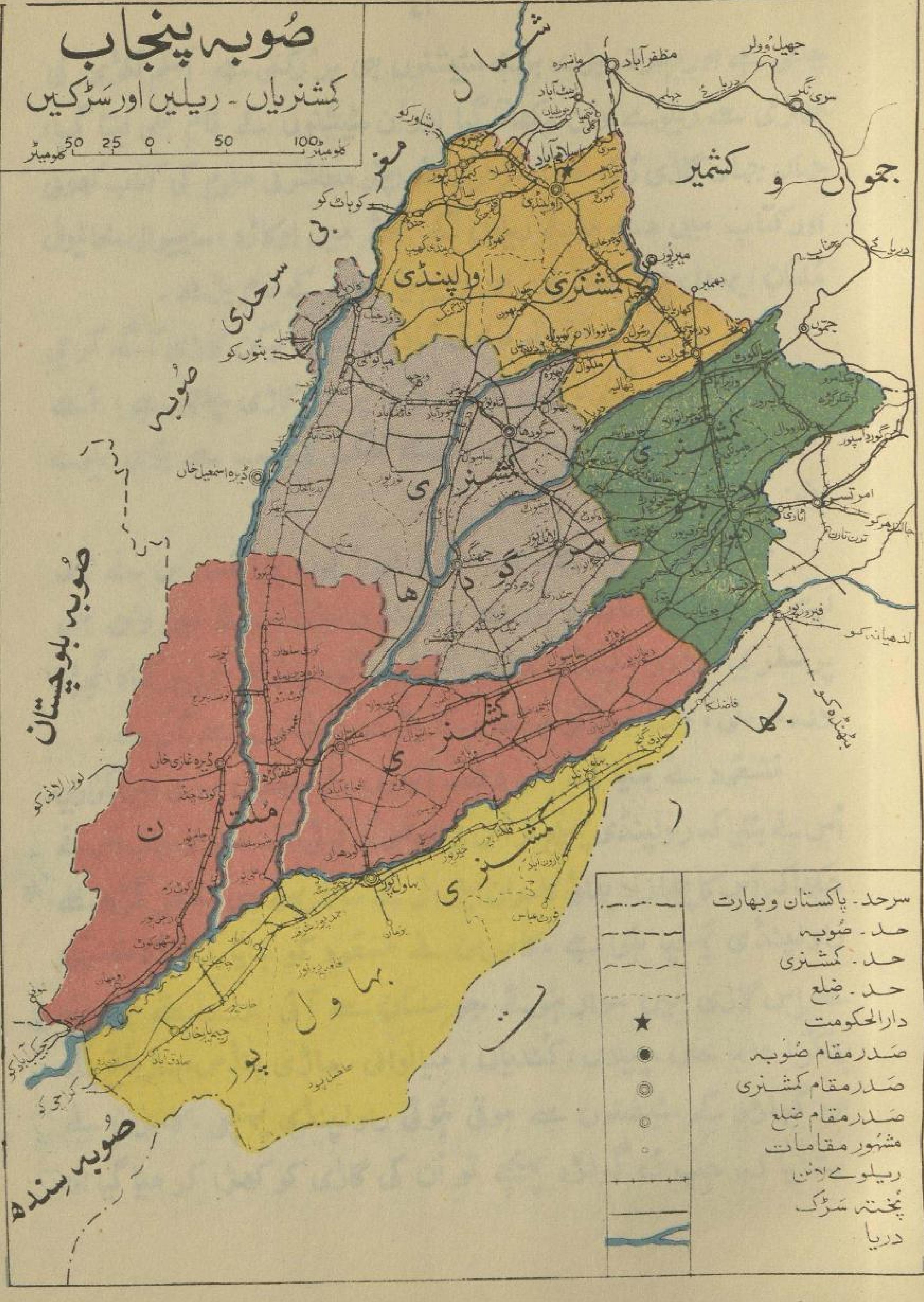
صوبہ پنجاب
کمشنریاں - ریلیں اور سڑکیں
50 25 0 50 100 کلومیٹر
شمال مغربی سرحدی صوبہ
صوبہ بلوچستان
صوبہ سندھ
جموں و کشمیر
بھارت
کمشنری راولپنڈی
کمشنری سرگودھا
کمشنری لاہور
کمشنری ملتان
کمشنری بہاولپور
مظفر آباد
سری نگر
جموں
امرتسر
فیروز پور
ڈیرہ اسمٰعیل خاں
ڈیرہ غازی خاں
بہاولپور
سرحد ـ پاکستان و بھارت
حد ـ صُوبہ
حد ـ کمشنری
حد ـ ضِلع
دارالحکومت
صدر مقام صُوبہ
صدر مقام کمشنری
صدر مقام ضلع
مشہور مقامات
ریلوے لائن
پُختہ سڑک
دریا

چلتی ہے اور صِرف بڑے بڑے سٹیشنوں ہی پر رُکتی ہے۔ اَسلم لکڑی کی چھڑی سے ریلوے لائن دِکھاتا گیا اور اُن سٹیشنوں کے نام بھی لیتا گیا، جہاں جہاں گاڑی رُکی تھی۔ لڑکوں نے اپنی معاشرتی علوم کی کتاب کھولی اور کتاب میں دیے ہوئے ریلوں کے نقشے میں اوکاڑہ، ساہیوال، خانیوال مُلتان، بہاول پور، خان پور اور رحیم یار خاں کے نام پڑھے۔

اَسلم اور اُس کی اَمّی تو صادق آباد اُتر گئے، لیکن گاڑی آگے کراچی کے لیے روانہ ہو گئی۔ جِس ریلوے لائن پر یہ گاڑی چلتی ہے، اُسے "مین لائن" کہتے ہیں۔ یہ لائن ہمارے مُلک کی سب سے بڑی ریلوے لائن ہے۔

مین لائن کا نام سُنتے ہی مسعُود فوراً بول پڑا کہ اُس نے بھی اَپنے ابّا جان کے ساتھ لاہور سے راولپنڈی جاتے ہُوئے مین لائن ہی پر سفر کیا تھا۔ راولپنڈی جاتے ہُوئے وُہ گوجرانوالا، وزیر آباد، گجرات، لالہ موسیٰ، جہلم اور گوجر خاں کے بڑے سٹیشنوں سے گزُرے۔

مَسعُود نے بتایا کِہ اِس دفعہ اُنھوں نے چھٹیاں مری میں گزاریں۔ اُس نے بتایا کہ راولپنڈی پہنچ کر اُس کی خوشی کی کوئی اِنتہا نہ رہی جب اُس نے دیکھا کہ اُس کا چچا زاد بھائی کامران اپنی اَمّی کے ساتھ پہلے ہی مظفر گڑھ سے راولپنڈی پُہنچا ہُوا ہے۔ کامران نے مَسعُود کو بتایا کہ وُہ مظفرگڑھ سے اِس گاڑی میں سوار ہُوئے جو ملتان سے آئی اور راستے میں لیّہ بھکّر، دریا خاں، پپلاں، کُندیاں، میانوالی، ماڑی اِنڈس، بسال، فتح جنگ اور گولڑہ کے سٹیشنوں سے ہوتی ہُوئی راولپنڈی پہنچی۔ کامران نے بتایا کہ جب وُہ گولڑہ پہنچے تو اُن کی گاڑی کو کھڑا کر دیا گیا اور

ایک تیز رفتار گاڑی پشاور کی طرف سے آئی جو بغیر رُکے آگے چلی گئی۔ یہ تیز رفتار گاڑی نوشہرہ، اٹک، لارنس پور اور حسن ابدال سے ہوتی ہوئی راولپنڈی چلی گئی۔

مسعُود کے ایک اور عزیز چکوال (ضلع جہلم) سے آئے تھے۔مَسعُود نے بتایا کہ وُہ پسنجر گاڑی میں آئے اور تھوڑا سا سفر کئی گھنٹوں میں طے کیا۔ مندرہ سٹیشن پر اُن کی گاڑی بھی مین لائن سے آملی۔

نوید خاموش بیٹھا تھا۔ اُستاد صاحب نے نوید سے پُوچھا کہ بھئی تم نے چھٹیاں کہاں گزاریں؟

نوید نے بتایا کہ وُہ اپنے خالو کے ہاں سیالکوٹ گیا تھا۔ جس گاڑی میں وُہ سوار تھا وُہ وزیر آباد تک تو مین لائن پر گئی، پھر سیالکوٹ براستہ سمبڑیال پہنچی۔

سیالکوٹ کا نام سُن کر محمُود بولا کہ وُہ بھی سیالکوٹ گیا تھا لیکن اُس کی گاڑی بدوملہی اور نارووال سے ہوتی ہُوئی سیالکوٹ پہنچی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ جب وُہ نارووال پہنچے تو دوسری لائن پر ایک اور مُسافر گاڑی کھڑی تھی۔ اُس کے بھائی جان نے اُسے بتایا کہ وُہ گاڑی چک امرُو سے براستہ شکر گڑھ آئی ہے۔ چک امرُو سے تھوڑا سا آگے جائیں تو بھارت کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ اُستاد صاحب نے تمام لڑکوں پر نظر دوڑائی تو دیکھا کہ پرویز زور زور سے ہاتھ ہلا رہا ہے۔ اُستاد صاحب مُسکرائے اور پرویز کی طرف اِشارہ کیا۔ وُہ فوراً ہی نقشے کے قریب آیا اور اُس نے بتایا کہ اُس کے بڑے بھائی داؤد خیل میں سیمنٹ کی فیکٹری میں کام

کرتے ہیں ۔ وُہ اپنی باجی اور اَمّی کے ساتھ چھٹیاں گزارنے وہاں گیا تھا۔ اُس کی گاڑی پُورے بارہ گھنٹے کے بعد وہاں پہنچی ۔ اُس نے بتایا کہ اُس کے راستے میں پہلا بڑا سٹیشن شیخوپورہ آیا۔ وہاں دُوسرے پلیٹ فارم پر ایک اور گاڑی کھڑی تھی۔ پرویز کی اَمّی نے بتایا کہ وُہ گاڑی لمبا سفر طے کر کے شورکوٹ روڈ سے آئی تھی۔ وُہ گاڑی پیر محل سے تاندلیانوالا، جڑانوالا اور ننکانہ صاحب سے ہوتی ہُوئی شیخوپورہ پہنچی تھی۔ جب سانگلہ ہل پہنچے تو ایک اور گاڑی کا "کراس" تھا۔ وُہ گاڑی وزیر آباد سے آئی تھی۔ سانگلہ ہل کے بعد گاڑی لائل پور پہنچی تو وہاں ایک اور کراس ہُوا۔ وہاں خانیوال سے آنے والی گاڑی کا اِنتظار ہو رہا تھا۔ وُہ گاڑی لیٹ تھی۔ اِس واسطے اُنھیں بھی کوئی آدھ گھنٹہ رُکنا پڑا۔ خانیوال سے آنے والی گاڑی سٹیشن پر پہنچی تو پھر اُن کی گاڑی کا سگنل نیچے ہُوا۔ گاڑی آہستہ آہستہ چل پڑی۔ گاڑی پھر چک جھمرہ آئی اور سرگودھا کی طرف مُڑی۔ راستے میں چنیوٹ اور ربوہ سے ہُوتی ہُوئی جب گاڑی شاہین آباد پہنچی تو ایک اور گاڑی پہلے ہی وہاں کھڑی تھی۔ وہ گاڑی شورکوٹ روڈ، حویلی بہادر شاہ، جھنگ مگھیانہ اور کوٹ سلطان سے ہوتی ہُوئی آئی تھی۔

سرگودھا سے آگے گاڑی شاہ پور صدر، خوشاب، جوہر آباد، قادر آباد سے ہوتی ہوئی کُندیاں پہنچی۔ کُندیاں کے سٹیشن پر آدھ گھنٹہ ٹھہرنے کے بعد گاڑی میانوالی کے لیے روانہ ہُوئی جہاں سے کچھ دیر بعد گاڑی داؤد خیل پہنچی۔ وہاں پلیٹ فارم پر پرویز کے بھائی جان نظر آ گئے۔ انھیں دیکھ کر پرویز کی سفر کی ساری تھکان دُور ہو گئی۔

اُستاد صاحب نقشے کے قریب آئے اور بچّوں کو بتایا کہ چھٹیوں میں وُہ پاک پتن گئے تھے۔ اُنھوں نے بتایا کہ اُن کی گاڑی رائے ونڈ، قصُور، کنگن پور اور حویلی سے ہوتی ہُوئی پاک پتن پہنچی۔ ماسٹر صاحب نے بتایا کہ وہ گاڑی آگے لودھراں تک جاتی ہے۔

جب تمام بچّے اپنے اپنے سفر کا حال بتا چُکے تو اُستاد صاحب نے بتایا کہ ہمارے صُوبے میں چند ریلوے لائنیں اور بھی ہیں۔ ان میں سے ایک برانچ لائن سمّہ سٹّہ سے بہاول نگر ہوتی ہُوئی منڈی صادق گنج اور امروکا کو جاتی ہے اور دُوسری لائن بہاول نگر ہوتی ہوئی فورٹ عباس تک جاتی ہے۔ فورٹ عباس بھارت کی سرحد کے قریب ایک پُرانا قصبہ ہے۔

اُستاد صاحب نے ایک اور ریلوے لائن کو بھی نقشے پر دکھایا۔ یہ لائن کوٹ ادّو سے ڈیرہ غازی خاں اور رُوجھان سے ہوتی ہُوئی کشمور تک جاتی ہے۔

سڑکیں اُستاد صاحب نے نقشہ پرصُوبے کی مشہُور سڑکیں بھی دکھائیں اور بتایا کہ ہزاروں لوگ علاوہ ریلوں کے بسوں میں بھی سفر کرتے ہیں۔

اُستاد صاحب نے بتایا کہ ہمارے صُوبے کی سب سے اہم سڑک ایک طرف تو لاہور سے گوجرانوالا، وزیرآباد، گجرات، جہلم، راولپنڈی اور اٹک سے ہوتی ہُوئی پشاور کو جاتی ہے اور دُوسری طرف لاہور سے اوکاڑہ، ساہیوال، خانیوال، مُلتان، بہاول پور، خان پور، رحیم یار خاں اور صادق آباد سے ہوتی ہُوئی کراچی کی طرف جاتی ہے۔ اِس بڑی سڑک کو شاہراہِ پاکستان کہتے ہیں۔

لاہور سے ایک سڑک شیخوپورہ، پنڈی بھٹیاں، چنیوٹ، سرگودھا،

خوشاب، میانوالی ہوتی ہوئی کالا باغ تک جاتی ہے۔ شیخوپورہ سے ایک سڑک گوجرانوالا کو اور دُوسری لائل پور سے ہوتی ہوئی جھنگ جاتی ہے جہاں سے مظفر گڑھ، علی پور، ڈیرہ نواب صاحب کے راستے رحیم یار خاں کے مقام پر شاہراہِ پاکستان سے مِل جاتی ہے۔

اُستاد صاحب نے بچّوں کو بتایا کہ اِن سڑکوں کے علاوہ اور بھی بہت سی پکّی سڑکیں ہیں جو بڑے بڑے شہروں اور قصبوں کو آپس میں ملاتی ہیں۔ کچّی سڑکیں دیہات کو آپس میں ملاتی ہیں۔

ہوائی راستے اُستاد صاحب نے ہوائی جہاز کی ایک بڑی سی تصویر دکھا کر بچّوں کو بتایا کہ اگر جلدی سفر کرنا ہو تو ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں۔ اُنھوں نے نقشے پر دکھایا کہ ہمارے صُوبے میں لاہور، راولپنڈی، لائل پور اور ملتان کے ہوائی اڈے ہیں جہاں سے ہم صُوبے کے اِن شہروں کے علاوہ کراچی، پشاور اور کوئٹہ تک پاکستان میں سفر کر سکتے ہیں اور اگر چاہیں تو پاکستان کے باہر بھی ہوائی جہاز کے ذریعے جا سکتے ہیں۔

دریائی راستے اُستاد صاحب نے بتایا کہ سفر اور سامان بھجوانے کا سب سے سستا طریقہ کشتیوں یا سٹیمر کے ذریعے دریائی سفر ہے مظفر گڑھ سے ڈیرہ غازی خاں جاتے ہُوئے گرمیوں کے موسم میں سٹیمروں کے ذریعے دریائے سندھ کو پار کرتے ہیں۔

ضلع میانوالی، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خاں میں مسافر اور سامان کو ایک جگہ سے دُوسری جگہ لے جانے کے لیے دریائے سندھ میں کشتیاں اِستعمال کی جاتی ہیں۔

خبریں پہنچانے کے وسائل

اخبار حامد کے ابّا ہر روز اخبار پڑھتے ہیں اخبار میں ہر طرح کی خبریں ہوتی ہیں کچھ اپنے مُلک کی اور کچھ دُوسرے ملکوں کی۔ چند ایک مضامین بھی ہوتے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ دنیا میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ دُنیا میں ایک جگہ سے دُوسری جگہ خبریں پہنچانے کے لیے کئی ایک ایجنسیاں قائم ہیں۔ یہ ایجنسیاں اپنے نمایندوں کے ذریعے خبریں وصول کرتی ہیں اور دُنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچاتی ہیں۔ اخباروں کے نمایندے مختلف شہروں میں موجود ہوتے ہیں جو اپنے علاقے سے متعلّق خبریں، اپنے اخبار کے صدر دفتر میں پہنچاتے ہیں اور یہ خبریں وہاں سے اخبار میں چھپ جاتی ہیں۔

خبریں اکثر ٹیلی فون، تار یا خط کے ذریعے ایک شہر سے دُوسرے شہر میں پہنچائی جاتی ہیں اور اخبار کے ذریعے ہر صبح پڑھنے والوں تک پہنچ جاتی ہیں۔

ریڈیو صبح، دوپہر، شام اور رات کے وقت حامد کے ابّا ریڈیو سے خبریں سُنتے ہیں۔ خبروں کے علاوہ ریڈیو سے اور بھی کئی قِسم کے پروگرام نشر ہوتے ہیں، مثلاً تقریریں، قوالیاں، نعتیں، بچّوں کا پروگرام، عورتوں کا پروگرام، طالب علموں کا پروگرام، موسیقی کا پروگرام وغیرہ۔ حامد کے گھر میں بجلی سے چلنے والا ایک ریڈیو ہے جس سے پاکستان، بھارت، ایران، افغانستان اور لندن کے پروگرام صاف سُنے جا سکتے ہیں۔ اِس کے

علاوہ ایک چھوٹا سا ٹرانسسٹر ریڈیو بھی ہے جو بیٹری کے سیلوں سے چلتا ہے۔ اسے ہم ہر جگہ لے جا کر سُن سکتے ہیں۔ ہمارے صُوبے میں لاہور، ملتان اور راولپنڈی کے مقامات پر ریڈیو سٹیشن ہیں۔

ٹیلی ویژن نجمہ کے گھر میں ایک ٹیلی ویژن سیٹ ہے۔ یہ ٹیلی ویژن سیٹ، نجمہ کے ابّا جان نے پچھلے سال خریدا تھا۔ ٹیلی ویژن کے اکثر پروگرام شام کو ہوتے ہیں۔ ٹیلی ویژن پر آواز کے ساتھ ساتھ بولنے والے کی تصویر بھی نظر آتی ہے، اس لیے یہ ریڈیو سے زیادہ دلچسپ لگتا ہے۔ ٹیلی ویژن پر خبریں، بچّوں کے پروگرام، ڈرامے، نغمے اور واقفیّت بڑھانے والے دیگر پروگرام بھی دکھائے جاتے ہیں۔

اخبار، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے واقفیّت بڑھتی ہے۔ ہمیں پتا چلتا ہے کہ دنیا میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ اِس کے علاوہ ہمیں اپنے مُلک کے حالات کا بھی علم ہوتا رہتا ہے۔

صُوبے کا اِنتظام

اِنتظامی تقسیم

احسن اپنے چچا کے ہاں لاہور آیا ہُوا تھا۔ ایک روز اُس کے چچا جان، شام کے وقت اُسے سیر کرانے لے گئے۔ جب اُن کی بس شاہراہِ قائد اعظم پر سے گذر رہی تھی تو احسن کو ایک شاندار عمارت نظر آئی۔ پولیس کے سپاہی وردیاں پہنے، بندوقیں اُٹھائے اس کے دروازہ پر پہرہ دے رہے تھے۔ اَحسن کو اُس کے چچا جان نے بتایا کہ یہ عمارت، گورنمنٹ ہاؤس کہلاتی ہے۔

گھر آکر احسن نے پُوچھا "چچا جان گورنمنٹ ہاؤس میں کون رہتا ہے"؟ چچا جان بولے! "اِس میں صُوبہ پنجاب کا گورنر رہتا ہے۔ گورنر صوبے کے اِنتظام کا ذمّہ دار ہوتا ہے۔ بھلا بتائیں تو ضِلع کا اِنتظام کِس کے سُپرد ہوتا ہے"؟ احسن بولا! "میں نے تیسری جماعت کی کتاب میں پڑھا تھا کہ ضِلعے کا اِنتظام ڈپٹی کمشنر کی ذمّہ داری ہوتی ہے"۔ "بالکل ٹھیک" چچا جان نے کہا۔ آئیں اب آپ کو یہ سمجھاؤں کہ صوبے بھر کا انتظام کیسے ہوتا ہے۔ چچا جان نے ایک نقشہ میز پر پھیلایا اور احسن کو قریب بُلا کر دکھایا اور کہنے لگے۔ "ہمارا صُوبہ بہت بڑا ہے۔ اس کا انتظام بہتر طریقے سے چلانے کے لیے اس کو پانچ حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر حصّے کو ڈویژن یا کمشنری کہتے ہیں۔ اب آپ صفحہ ۷۰ پر دیے گئے نقشے کو غور سے دیکھیے۔ اس میں صوبہ پنجاب کی کمشنریاں الگ الگ رنگوں میں دکھائی گئی ہیں۔ بھلا بتلیئے تو

صُوبہ پنجاب میں کِتنی کمشنریاں ہیں؟ احسن نے نقشہ دیکھ کر بتایا۔ کمشنری راولپنڈی، کمشنری سرگودھا، کمشنری لاہور۔ کمشنری ملتان اور کمشنری بہاول پور۔

"شاباش" اچچا جان نے کہا ہر کمشنری میں کئی ضِلعے ہوتے ہیں اور ہر ضلعے میں کئی تحصیلیں۔

راولپنڈی کمشنری میں راولپنڈی، کیمبل پور، جہلم اور گجرات کے ضِلعے شامل ہیں۔

سرگودھا کمشنری میں سرگودھا، لائل پور، جھنگ اور میانوالی کے اضلاع شامل ہیں۔

کمشنری لاہور میں لاہور، شیخوپورہ، گوجرانوالا اور سیالکوٹ کے اضلاع شامل ہیں۔

ملتان کمشنری میں ملتان، ساہی وال، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خاں کے ضلعے شامل ہیں۔

بہاول پور کمشنری میں ضِلع بہاول پور، ضلع بہاول نگر اور ضلع رحیم یار خاں ہیں۔

ہر کمشنری کا حاکم کمشنر کہلاتا ہے جو ضلعوں کے ڈپٹی کمشنروں کی مدد سے پوری کمشنری کا انتظام چلاتا ہے۔ اِسی طرح پُورے صُوبے کا اِنتظام گورنر کے سُپرد ہوتا ہے۔ صُوبے کے مختلف کام کرنے کے لیے مختلف محکمے ہیں۔ مثلاً محکمۂ صحت، محکمۂ تعلیم، محکمۂ زراعت، محکمۂ صنعت و حرفت وغیرہ۔ ہر محکمے کا سربراہ سیکریٹری کہلاتا ہے جو ایک وزیر کی نگرانی میں اپنے محکمے کے تمام اِنتظام کا ذمّہ دار ہوتا

ہے اور پنجاب کا وزیرِ اعلیٰ اِن تمام محکموں کے کام کی نگرانی کرتا ہے۔ مختلف محکموں کے وزیر اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ صوبے کا اِنتظام چلانے میں گورنر کی مدد کرتے ہیں اور اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ ہر کام قانون کے مُطابق ہو۔

صُوبائی اسمبلی

احسن نے پُوچھا۔ "چچا جان قانون کون بناتا ہے؟" چچا نے کہا۔ "بیٹا قانون ایک شخص نہیں بناتا بلکہ قانون بنانے کا کام ہمارے مُلک کی اسمبلیوں کے سپُرد ہوتا ہے۔ ہر صُوبے میں ایک ایک اسمبلی ہوتی ہے جو اپنے صُوبے کے لیے قانون بناتی ہے۔" احسن نے پوچھا۔ "ان اسمبلیوں میں کون لوگ کام کرتے ہیں؟" چچا جان نے بتایا "صُوبائی اسمبلیوں

کے ممبر جنھیں عام طور پر ایم۔ پی۔ اے یعنی ممبر پراونشل اسمبلی کہتے ہیں۔ اسمبلی کے ممبروں کو عام لوگوں کی رائے سے چُنا جاتا ہے، اسے عام اُنتخاباّت یا الیکشن کہتے ہیں اور رائے دینے کو ووٹ دینا بھی کہتے ہیں۔" احسن نے پُوچھا "چچا جان صوبائی اسمبلی، قانون کیسے بناتی ہے؟" چچا جان نے بتایا "مختلف محکموں یا ممبروں کی طرف سے تجویزیں، اسمبلی کے اجلاس میں پیش کر دی جاتی ہیں۔ ان پر اسمبلی

کے ممبر بحث کرتے ہیں۔ آخر میں سب ممبر اِس تجویز پر اپنی اپنی رائے دیتے ہیں اور اگر زیادہ ممبر اس تجویز کو منظور کر لیں تو اِس تجویز کو قانون کا درجہ دے دیا جاتا ہے اور اِس کو ماننا، صُوبہ پنجاب میں رہنے والے ہر شخص کے لیے لازمی ہو جاتا ہے۔ صُوبہ پنجاب کی اسمبلی کے اجلاس لاہور کے اسمبلی ہال میں ہوتے ہیں اور اس کی کارروائی کو جاری رکھنے اور ضبط قائم رکھنے والے شخص کو "سُپیکر" کہتے ہیں۔

صوبائی اسمبلی کے عام انتخابات ہر پانچ سال بعد ہوتے ہیں۔

ہائی کورٹ

احسن کے چچا جان سے ان کے ایک دوست ملنے آئے۔ اُنھوں نے کالا کوٹ پہن رکھا تھا۔ چچا جان نے بتایا "یہ بہت بڑے وکیل ہیں اور لاہور ہائی کورٹ میں کام کرتے ہیں" احسن نے پوچھا "ہائی کورٹ کسے کہتے ہیں؟" چچا جان بولے "صوبے کی سب سے بڑی عدالت، ہائی کورٹ کہلاتی ہے، یہ چیف جسٹس یعنی بڑے جج صاحب کی عدالت ہوتی ہے۔ ڈسٹرکٹ جج، سیشن جج کی عدالت کا فیصلہ اگر دو فریقوں میں سے کِسی کو منظُور نہ ہو تو وُہ انصاف کے لیے مقدّمے کو ہائی کورٹ میں لے جاتے ہیں۔ پھر ہائی کورٹ یعنی صُوبے کی سب سے بڑی عدالت اس مقدّمے پر اپنا فیصلہ دیتی ہے۔ اِس کے علاوہ ہائی کورٹ میں زیادہ اہم قِسم کے فوج داری اور دیوانی مقدّمے بھی سُنے جاتے ہیں۔ اِس عدالت کے سب سے بڑے جج کو چیف جسٹس، ہائی کورٹ کہتے ہیں۔

ہمارے مُلک کی عدالتیں آزاد ہیں اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتی ہیں اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔

محکمۂ تعلیم کا اِنتظام

احسن کا چچا زاد بھائی سلمان لاہور میں پڑھتا ہے۔ اُس کے سکول میں جلسۂ تقسیمِ اِنعامات ہونا تھا۔ وُہ احسن کو بھی اپنے ساتھ اپنے سکول لے گیا۔ وہاں ڈی۔ پی۔ آئی، پنجاب یعنی ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب بطور مہمانِ خصوصی آئے۔ اُنھوں نے بچّوں میں انعامات تقسیم کرنا تھے۔ تقریب بہُت دِل چسپ تھی۔ احسن کو یہ تقریب بہُت پسند آئی۔ اسے یہ بھی پتا چلا کہ صوبہ پنجاب کو تعلیمی اِنتظام کے لیے پانچ ڈویژنوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان ڈویژنوں کے نام راولپنڈی، سرگودھا، لاہور، ملتان اور بہاول پور ہیں۔ ہر ڈویژن میں تعلیم کا سب سے بڑا افسر ڈائریکٹر تعلیمات کہلاتا ہے۔ زنانہ سکولوں کے انتظام کے لیے ہر ڈویژن میں ایک ایک ڈپٹی ڈائریکٹرس مقرّر ہے۔ صوبے کے پانچوں تعلیمی ڈویژنوں کی نگرانی ڈی۔ پی۔ آئی کرتا ہے۔ صُوبہ پنجاب کے محکمۂ تعلیم کا سب سے بڑا افسر سیکریٹری تعلیم کہلاتا ہے۔ سیکریٹری تعلیم کا دفتر پنجاب سوِل سیکریٹریٹ، لاہور میں ہے۔ احسن کو یہ سب باتیں سلمان بھائی سے پتا چلیں۔

پنجاب پبلک سروس کمیشن

احسن کے بھائی جان ایم۔ اے پاس کرچکے تھے اور اب ملازمت کی تلاش میں تھے۔ انھوں نے اخبار میں کالج کے لیے لیکچرار کی آسامی

کا اشتہار پڑھا تو درخواست دے دی - یہ درخواست پنجاب پبلک سروس کمیشن کے دفتر میں پہنچی - یہ وُہ ادارہ ہے جو صُوبہ پنجاب میں اعلیٰ عہدوں کی آسامیوں کے لیے مناسب لوگوں کا اِنتخاب کرتا ہے۔ پبلک سروس کمیشن امیدواروں کا زبانی یا تحریری امتحان لیتا ہے، پھر ان میں سے مناسب لوگوں کا اِنتخاب کرتا ہے -

احسن کے بھائی جان مقررّہ دِن انٹرویو دینے گئے - پبلک سروس کمیشن کے چیئرمین اور دوسرے ممبروں نے اُن سے بہُت سے سوالات پوچھے - چند روز کے بعد احسن کے بھائی جان کو محکمۂ تعلیم کی طرف سے ایک چِٹھّی مِلی جس میں لِکھا تھا کہ آپ کو پبلک سروس کمیشن نے لیکچرار کی آسامی کے لیے منتخب کر لیا ہے - احسن کو اُس کے بھائی جان نے بتایا کہ دُوسرے محکموں کی بڑی بڑی آسامیوں کے لیے بھی پنجاب پبلک سروس کمیشن ہی اُمیدواروں کو منتخب کرتا ہے -

رفاہی ادارے

تعلیمی ادارے ثمینہ اور اسلم دونوں بہن بھائی ہیں۔ ثمینہ چوتھی جماعت میں پڑھتی ہے اور اسلم نویں جماعت کا طالب علم ہے۔ دسویں جماعت پاس کرنے کے بعد اسلم، گورنمنٹ کالج میں داخل ہو جائے گا۔ یہاں سے ایف۔ ایس۔ سی کا امتحان پاس کرنے کے بعد وُہ انجینیرنگ یونیورسٹی میں چار سال کا کورس مکمّل کرے گا تاکہ انجینیئر بن سکے۔ شاہد، اسلم کا ہم جماعت اور دوست ہے۔ وُہ کالج میں پروفیسر بننا چاہتا ہے۔ دسویں جماعت پاس کرنے کے بعد وُہ گورنمنٹ کالج میں بی اے تک پڑھے گا اور پھر ایم اے کرنے کے لیے اُسے 'پنجاب یونیورسٹی' لاہور میں داخل ہونا پڑے گا۔ پنجاب میں پانچ یونیورسٹیاں ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور، انجینیرنگ یونیورسٹی لاہور، زرعی یونیورسٹی لائل پور جہاں زراعت کی تعلیم دی جاتی ہے، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور اور ملتان یونیورسٹی، ملتان۔ ثمینہ زنانہ گورنمنٹ کالج سے ایف۔ ایس۔ سی کا امتحان اعلیٰ نمبروں میں پاس کرنے کے بعد فاطمہ جناح میڈیکل کالج، لاہور میں داخل ہو جائے گی جہاں وُہ پانچ سال تک ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرے گی۔ پھر اُس کا اِرادہ ڈاکٹر بن کر قوم کی خدمت کرنے کا ہے۔ فاطمہ جناح میڈیکل کالج میں صرف لڑکیاں ہی ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ اِس کے علاوہ صُوبے بھر میں اور جگہوں پر بھی میڈیکل کالج ہیں جہاں

لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ پڑھتے ہیں۔ یہ کالج لاہور، ملتان، راولپنڈی بہاول پور اور لائل پور میں قائم ہیں۔

پنجاب میں بہُت سے ایسے ادارے بھی ہیں جہاں فنی تعلیم دی جاتی ہے، ایسے اداروں کو پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ کہتے ہیں۔ بہُت سے طالب علم دسویں جماعت پاس کرکے ان اداروں میں بجلی اور لکڑی کا کام اور ریڈیو انجینیرنگ وغیرہ سے متعلّق تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

زرعی قرضے ثمینہ اور اسلم بہار کی چھٹیوں میں اپنے ماموں جان کے ہاں گاؤں گئے۔ ایک دن دونوں اپنے ماموں کے ساتھ گاؤں کی پچھلی جانب سیر کے لیے گئے۔ اسلم اس حصّہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ایک سال پہلے جب یہ لوگ گاؤں آئے تھے تو گاؤں کا یہ حصّہ ویران پڑا ہُوا تھا۔ اب وہاں ہرے بھرے کھیت لہلہا رہے تھے۔ ماموں جان نے بتایا کہ جِن لوگوں کی یہ زمینیں ہیں اُنھوں نے زرعی ترقیاتی بینک سے قرضہ لے کر زمینوں کے لیے ٹریکٹر، کھاد اور بیج وغیرہ خریدے اور فصلیں اُگا لیں۔ اب وُہ یہ قرضہ آہستہ آہستہ قِسطوں میں ادا کر دیں گے۔ تھوڑا قرضہ لینا ہو تو امدادِ باہمی کی انجمن سے بھی مِل جاتا ہے۔

انجمن امداد باہمی (کواپریٹو سوسائٹی) اسلم نے پُوچھا۔ ”ماموں جان! انجمن امدادِ باہمی کِس کو کہتے ہیں؟“ ماموں جان نے کہا ”انجمن امداد باہمی کا مطلب ہے، ایک دُوسرے کی مدد کرنے والی انجمن۔ کچُھ لوگ مِل کر ایک انجمن امدادِ باہمی بنا لیتے ہیں اور ہر ممبر ہر ماہ اپنی بچائی ہُوئی رقم میں سے کچُھ روپیہ انجمن میں اپنے حصّے کے طور

پر جمع کرا لیتا ہے۔ ضرورت پڑنے پر اس انجمن کا ہر ممبر اس رقم میں سے قرضہ لے سکتا ہے۔ کسانوں کی ایسی انجمنیں اپنے ممبروں کو زرعی قرضے بہت کم منافع لے کر دے دیتی ہیں۔" اسلم نے پوچھا۔ "کیا زرعی قرضوں کے علاوہ امداد باہمی کی انجمنیں اور کسی کام کے لیے بھی قرضے دیتی ہیں"۔ "ہاں" ماموں جان نے کہا "انجمن امدادِ باہمی کے تحت کواپریٹو سٹور بھی چلائے جاتے ہیں۔ ایسے سٹوروں میں کپڑا، صابن، تولیے اور کہیں کہیں کھانے پینے کی چیزیں بھی زیادہ نفع لیے بغیر فروخت کی جاتی ہیں، اِس لیے ان کے دام کم ہوتے ہیں۔ کئی سکولوں اور کالجوں میں انجمن اِمدادِ باہمی کے تحت چھوٹے چھوٹے کواپریٹو سپلائی سٹور قائم کیے گئے ہیں جو طلبا کی ضرورت کی چیزیں مثلاً کاپیاں، پنسل، قلم، کاغذ اور کتابیں وغیرہ مہیّا کرتے ہیں۔ چند کالجوں میں تو بڑے پیمانہ پر کیفے ٹیریا بھی قائم کیے گئے ہیں۔

چھوٹی اور گھریلو صنعتیں (کاٹیج انڈسٹری)

ثمینہ نے پوچھا "گھریلو صنعت کسے کہتے ہیں"؛ ماموں جان نے بتایا "گھریلو صنعتوں میں وُہ دستکاریاں شامل ہیں جن کا کام گھروں میں ہی چھوٹے پیمانے پر چلایا جا سکے، مثلاً کپڑا یا قالین بنانے کی کھڈیاں، کھیلوں کا سامان چمچ، کانٹے، چھُریاں بنانا، چمڑے کا کام کرنا، ربڑ کی چیزیں بنانا، مٹّی کے برتن بنانا، کڑھائی سلائی بنائی کرنا وغیرہ وغیرہ۔

حکومت نے اِس قسم کی چھوٹی چھوٹی صنعتوں کو ترقی دینے کے لیے ایک محکمہ قائم کیا ہے جسے سمال انڈسٹریز کارپوریشن کہتے ہیں۔ چھوٹی یا گھریلو صنعتیں چلانے کے خواہش مند لوگ انجمن امدادِ باہمی

(برائے صنعت) کے ممبر بن جاتے ہیں اور ضرورت کے مطابق اِس انجمن سے قرض لے کر کام چلا لیتے ہیں"۔ ماموں جان نے اسلم کو یہ بھی بتایا کہ لاہور میں ایک مشہور دکان "کواپریٹو ہینڈی کرافٹ" ہے۔ اِس میں امداد باہمی کی مختلف انجمنوں کی تیار کی ہوئی چیزیں فروخت کی جاتی ہیں۔ یہ چیزیں خوبصورت بھی ہوتی ہیں اور ان کی قیمتیں بھی مناسب ہوتی ہیں۔

انجمنِ ہلالِ احمر ثمینہ بڑی ذہین بچّی ہے۔ وُہ اپنے سکول کی انجمن ہلالِ احمر کی بھی ممبر ہے۔ اس انجمن کا کام انسانیت کی خدمت کرنا ہے۔ غریبوں، مُصیبت زدوں، بیماروں اور محتاجوں کی مدد کرنا اس انجمن کے فرائض میں شامل ہے۔ پنجاب کی انجمن ہلالِ احمر کا بڑا دفتر لاہور میں ہے۔

بھارت کے ساتھ جنگوں کے دوران میں پاکستان انجمن ہلالِ احمر نے بہُت کام کیا۔ فوجی بھائیوں کے لیے تحفے جمع کیے، نیز ان کے لیے کپڑے سینے اور سوئیٹر بُننے کا کام کیا۔ اِس کے علاوہ جنگ کی وجہ سے بے گھر ہونے والے لوگوں کے لیے ضرُوری سامان جمع کیا۔

انجمن ہلالِ احمر چندہ جمع کرنے کی مہم بھی چلاتی ہے۔ ثمینہ نے بھی اپنے سکول کی انجمن کے لیے کافی چندہ جمع کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ انجمن ہر سال تپ دق کے مریضوں کی مدد کے لیے خاص ٹکٹ بیچ کر چندہ جمع کرتی ہے۔

سوشل سیکیورٹی سکیم محمّد دین، حامد کا ہمسایہ ہے۔ وُہ ایک کارخانے میں مزدوری کرتا ہے۔ ایک دفعہ وُہ بیمار ہو گیا۔ حامد

سوچنے لگا، بیچارہ غریب آدمی ہے، اِس کا تو بہت روپیہ خرچ ہو گیا ہوگا۔ مگر حامد کی اَمّی نے بتایا کہ محمّد دین کا علاج حکومت کی سوشل سیکیورٹی سکیم کے تحت ہو رہا ہے، اِس لیے اُس کا کوئی پیسہ خرچ نہیں ہُوا۔

سوشل سیکیورٹی سکیم کے تحت کارخانہ داروں، ملّوں کے مالکوں یا ایسے تمام لوگوں کے لیے جو مزدوروں سے کام لیتے ہیں ضروری ہے کہ وُہ اپنے ادارے کی آمدنی میں سے ملازموں کی تعداد کے مطابق کچُھ روپیہ سوشل سیکیورٹی کے دفتر میں جمع کرائیں۔ ہر مُلازم کو بھی کچُھ رقم اس سلسلے میں جمع کرانا پڑتی ہے۔ اس طرح جو رقم سوشل سیکیورٹی کے دفتر میں جمع ہوتی ہے، اسے ملازمین کی بہتری کے لیے خرچ کیا جاتا ہے۔

محکمۂ اوقاف حامد کو اُس کی امّی جان نے یہ بھی بتایا کہ محکمۂ اوقاف کو مزاروں اور درگاہوں کی حفاظت اور تبلیغِ اسلام کا کام سونپا گیا ہے۔ مسجدوں کے خطیبوں کی تربیّت اور تقرّری کا اِنتظام بھی یہی محکمہ کرتا ہے۔ اِس میں عام لوگوں کی بہتری کے لیے اور بھی کئی کام ہوتے ہیں۔ غریب لڑکیوں کی شادی کے لیے جہیز وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے۔ بیماروں کے لیے ہسپتال اور طالب علموں کے لیے دینی مدرسے بھی اس محکمے کے تحت چلائے جا رہے ہیں۔

ہمارے مسائل

قدرت نے ہمارے صوبہ پنجاب کو بہت سی نعمتیں بخشی ہیں جن کی بدولت ہماری اکثر ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ ہماری کچھ مشکلات بھی ہیں۔ اگر اِن پر قابو پا لیا جائے تو ہماری زندگی بہت خُوش حال ہو سکتی ہے۔ ہمارے عام مسائل یہ ہیں۔

آب پاشی کے لیے پانی کی کمی ہمارے صُوبے میں بارش کم ہوتی ہے، اِس لیے فصلوں کے لیے نہروں کے پانی کی ضرورت پڑتی ہے۔ موسم سرما میں دریاؤں میں پانی کم آتا ہے جس سے نہروں میں بھی پانی کم ہو جاتا ہے۔ اس کا فصلوں پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ اس کمی کو دریاؤں پر بند باندھ کر پورا کرتے ہیں اور یہ کوشش کی جاتی ہے کہ موسمِ گرما میں جب دریاؤں میں زیادہ پانی آئے تو اسے بند باندھ کر محفوظ کر لیا جائے اور موسمِ سرما میں اسے نہروں میں چھوڑ کر استعمال کیا جائے۔ منگلا بند، تربیلا بند اور چشمہ بیراج وغیرہ اسی لیے تعمیر کیے گئے ہیں۔

سیم و تھور ہمارے صُوبے کے کئی ضِلعوں میں سیم کی وجہ سے زمین گارے کی طرح رہتی ہے اور کئی علاقوں میں کلّر نکل آیا ہے جس سے فصلیں بالکل خراب ہو جاتی ہیں۔ ایسے علاقوں میں ٹیوب ویل لگائے جا رہے ہیں تاکہ ایک تو زیرِ زمین پانی کی سطح کم ہو جائے جس سے زمین بہتر ہو جائے گی اور ساتھ ہی آب پاشی کی مشکل بھی حل ہو جائے گی۔

بجلی کی کمی ہمارے ہاں بجلی کم مقدار میں پیدا ہوتی ہے، اِس لیے کارخانے اور ٹیوب ویل چلانے میں دِقّت ہوتی ہے۔ چند جگہوں پر پن بجلی گھر بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے، لیکن ابھی تک بجلی کی پیداوار ہماری ضرُورت سے بہُت کم ہے۔

ناخواندگی ہمارے صُوبے میں اَن پڑھ لوگوں کی تعداد زیادہ ہے، اس لیے ایسے لوگ مُلک کی ترقّی میں زیادہ حصّہ نہیں لے سکتے۔ زرعی اور صنعتی ترقّی کے لیے تعلیم بہت ضرُوری ہے۔ چنانچہ تعلیم کو عام کرنے کے لیے کوشش کی ضرُورت ہے، نیز تعلیمِ بالغاں کا بھی مناسب انتظام بہت ضرُوری ہے تاکہ اَن پڑھ بالغ بھی تعلیم حاصل کر کے مُلک کے مُفید شہری بن سکیں۔

بے روزگاری پیداوار میں کمی کی وجہ سے کچھ لوگوں کو کام نہیں مِلتا اور اس وجہ سے وُہ اپنے کُنبے کا پیٹ نہیں پال سکتے۔ بے روزگاری ترقّی کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے مُلک میں زیادہ کارخانے لگانے کی ضرورت ہے تاکہ ایک تو پیداوار بڑھے، دوسرے لوگوں کو روزگار مہیّا ہو جائے۔

متوازن غذا کی کمی ہمارے صُوبے میں خوراک کی کمی نہیں ہے لیکن لوگ اَن پڑھ ہونے کی وجہ سے غذا کو متوازن بنانا نہیں جانتے، مثلاً وُہ آلو، روٹی اور دال زیادہ اِستعمال کرتے ہیں اور ٹماٹر، گاجر اور مُولی وغیرہ کم۔ اس سلسلے میں لوگوں کو متوازن غذا اور اُس کے فائدوں سے واقفیّت دلانے کی ضرُورت ہے۔ صحت و تعلیم کے محکمے یہ کام کسی حد تک کر بھی رہے ہیں، البتّہ اِس مسئلے کو حل کرنے کے لیے زیادہ کام کرنے کی ضرُورت ہے۔

حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ہم اسلامی جمہوریہ پاکستان کے رہنے والے ہیں۔ دُنیا میں اور بھی کئی مُسلم ممالک ہیں، ان میں سعودی عرب بہت مشہور ہے۔ یہ مُلک ہمارے مُلک کے مغرب میں واقع ہے۔ اِس میں ایک شہر مکّہ ہے جہاں دُنیا بھر کے مُسلمان ہر سال حج کرنے جاتے ہیں۔ اِس مقدّس شہر میں ۵۷۱ء میں ہمارے پیارے رسول حضرت محمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیدا ہُوئے۔ آپؐ کے والد کا نام حضرت عبداللہ اور والدہ کا نام حضرت آمنہ تھا۔

عرب میں اس وقت دستور تھا کہ شہر کے شریف گھرانوں کے بچّے کھُلی فضا میں پرورش پانے کی خاطرِ دیہات میں بھیج دیے جاتے تاکہ وہاں اُن کی صحت اچھّی رہے۔ آپؐ کے سِلسلے میں یہ خدمت ایک نیک دل خاتون بی بی حلیمہ کے سُپرد ہُوئی۔ چار سال تک بی بی حلیمہ نے آپؐ کی پرورش کی۔ بی بی حلیمہ آپؐ سے بہُت پیار کرتی تھیں۔ آپؐ کی برکت سے بی بی حلیمہ کا کُنبہ بھی خُوش حال ہو گیا۔

اس کے بعد آپؐ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ رہنے لگے۔ لیکن آپؐ ابھی صرف چھے سال ہی کے تھے کہ آپؐ کی پیاری والدہ بھی فوت ہو گئیں۔ اس پر آپؐ کے دادا نے فوراً آپؐ کو اپنی شفقت میں لے لیا۔ آپؐ کے دادا بہُت بُوڑھے ہو چُکے تھے۔ تقریباً دو سال بعد آپؐ کے دادا بھی فوت ہو گئے تو آپؐ اپنے چچا حضرت ابوطالب کے پاس رہنے لگے۔ آپؐ کے چچا آپؐ سے بہُت پیار کرتے تھے۔

آپؐ عام بچّوں کی طرح گلی کوچوں میں کھیلنے کو پسند نہیں فرماتے تھے ۔ اُس زمانے کی عرب قوم میں بہت سی برائیاں تھیں، وُہ بتوں کو پوجتے اور ایک دوسرے سے اکثر جھگڑتے رہتے تھے ۔ آپؐ کو اِن بُرے کاموں سے شرُوع ہی سے نفرت تھی ۔ آپؐ اکثر سوچتے رہتے کِہ لوگوں میں اِن بُرائیوں کو کِس طرح ختم کیا جائے ۔ آپؐ دوسروں سے شفقت فرماتے اور محتاجوں اور غریبوں کی دیکھ بھال کرتے ۔

آپؐ کی نیکی اور سچائی کی وجہ سے لوگ آپؐ کو صادق اور امین کہتے تھے ۔ جب آپؐ بڑے ہُوئے تو آپؐ نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا ۔

آپؐ شہر سے دُور غارِ حرا میں اکثر چلے جاتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے ۔ ایک دِن آپؐ عبادت میں مصرُوف تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ آپؐ کے پاس بھیجا ۔ اُس فرشتے نے آپؐ سے عرض کیا کِہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نبی بنایا ہے تاکِہ آپؐ لوگوں کو بھلائی اور سچائی کا راستہ دکھائیں ۔

آپؐ نے مکّہ کے لوگوں کو بتایا کِہ اللہ ایک ہے، صرف اُسی کی عبادت کرو ۔ بُتوں کو نہ پُوجو کیونکہ یہ کِسی کو فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتے ۔ اچھّے کام کرو، بُرے کاموں سے بچو اور آپس میں پیار محبت سے رہو ۔ سب سے پہلے آپؐ کی بیوی حضرت خدیجہؓ مسلمان ہوئیں، بعد میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ نے بھی اسلام قبول کرلیا ۔

مکّے والے اپنے بُتوں کے خلاف کوئی بات سُننے کو تیار نہ تھے، اس لیے ان لوگوں نے آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو ستانا شروع کر دیا ۔ جو آدمی مُسلمان ہو جاتا، اُسے پتھر مارتے، اُس کو گرم ریت پر لٹا دیتے اور طرح

طرح کی تکلیفیں پہنچاتے، لیکن مُسلمان یہ سب مُصیبتیں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر برداشت کرتے رہے۔

جب مکّہ والوں کی دُشمنی حد سے بڑھ گئی تو حضرت محمدؐ اور آپؐ کے ساتھی خُدا کے حُکم سے مکّہ چھوڑ کر مدینے چلے گئے۔ اِس واقعہ کو ہجرت کہتے ہیں۔ مدینے کے لوگوں نے آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں سے بہُت اچّھا سلوک کیا۔

مکّے کے لوگوں نے آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو مدینے میں بھی چین سے نہ رہنے دیا، لیکن آخر کار سچائی کی فتح ہُوئی اور عرب کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ مکّہ والے مُسلمانوں سے اکثر دھوکا کرتے۔ آخر کار دھوکا اور بد عہدی کا بدلہ لینے کے لیے آپؐ اپنے ساتھیوں کو لے کر مکّہ پہُنچے۔ مکہ والے خوف زدہ ہو گئے اور اُنھوں نے لڑے بغیر ہتھیار ڈال دیے۔ آپؐ نے مکہ والوں کی تمام زیادتیاں معاف کر دیں۔ مکّہ والے سچّے دِل سے مُسلمان ہو گئے اور آپس میں بھائیوں کی طرح رہنے لگے۔

آپؐ نے تریسٹھ سال کی عمر میں آخری حج کیا۔ اِس موقعے پر آپؐ نے مُسلمانوں کو بہت سی نصیحتیں کیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ سب کا خُدا ایک ہے۔ کالے آدمی کو گورے پر اور گورے رنگ کے آدمی کو کالے پر کوئی بڑائی حاصل نہیں، اچّھا آدمی وُہی ہے جو اچّھے کام کرتا ہے۔

اُس حج کے بعد آپؐ مدینہ واپس آئے تو آپؐ کی طبیعت ناساز ہوگئی اور ۱۲ ربیع الاوّل کو آپؐ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

آنحضرتؐ اللہ تعالیٰ کے آخری رسُول ہیں۔ آپؐ کو تمام دُنیا کے اِنسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہے۔ یہ شان کِسی اور نبی کو حاصِل نہیں۔

حضرت ابوبکر صدِّیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکرؓ کا نام عبداللہ تھا اور لقب صدیق تھا۔ یہ لقب آپؓ کو آنحضرتؐ نے عطا فرمایا تھا۔ آپؓ اور آنحضرتؐ بچپن ہی سے ایک دُوسرے کے گہرے دوست تھے۔

مردوں میں سب سے پہلے آپؓ ہی نے اِسلام قبول کیا۔ اس لحاظ سے آپؓ کا درجہ بہت بلند ہے۔ اِسلام کی راہ میں آپؓ نے بہت ساری مالی قربانیاں دی ہیں۔ اکثر جہاد کے موقعے پر آپؓ نے اپنا سارا مال خُدا کی راہ میں خرچ کر دیا۔ مسجدِ نبوی کی زمین کی قیمت بھی آپ ہی نے ادا کی۔ جنگِ تبوک کے موقعے پر جب مال کی ضرُورت پڑی تو آپؓ نے اپنے گھر کا تمام مال رسولِ کریمؐ کے حوالے کر دیا۔

آپؓ نبی کریمؐ کے ساتھ تین دن تک غارِ ثور میں رہے، اسی لیے آپؓ یارِ غار بھی کہلاتے ہیں۔

رسولِ کریمؐ کے وصال کے بعد آپؓ کو خلیفہ چُنا گیا۔

جب آپؓ خلیفہ بنے تو اُس وقت اِسلام کے دشمنوں نے مُسلمانوں کے لیے کافی مُشکلات پیدا کر دیں، مگر آپؓ نے ایسے حالات میں دُشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ آپؓ کے عہد میں مُسلمانوں نے عراق فتح کر لیا اور شام کے مُلک میں داخل ہو گئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ بہت نیک اور رحم دل مُسلمان تھے۔ آپؓ بہت دولت مند تھے مگر اِس کے باوجُود آپؓ کی طبیعت بہت ہی سادہ تھی۔ خلیفہ ہو کر بھی آپؓ اپنے سارے کام خُود ہی کرتے تھے۔

آپؓ کے زمانے میں بیت المال میں جو کچھ آتا آپؓ نبی کریمؐ کی سُنّت پر عمل کرتے ہُوئے وُہ تمام مال لوگوں میں بانٹ دیتے ۔

آپؓ مسلمانوں کی خاطر دن رات کام کرتے رہتے جس کی وجہ سے آپؓ کی صحت بہت خراب ہو گئی اور آپؓ کو بخار آنے لگا ۔ آخر تریسٹھ سال کی عُمر میں آپؓ نے وفات پائی ۔ آپؓ نے دو سال دو مہینے اور چند دن خلافت کی ۔ آپؓ کو رسولِ کریمؐ کے پہلو میں دفن کیا گیا ۔

حضرت عُمر رضی اللہ عنہٗ

حضرت عمرؓ بڑے بہادر اور نڈر سپاہی تھے۔ اگر وہ کسی بات کو صحیح سمجھتے تو اُسے فوراً قبول کر لیتے تھے۔ آنحضرتؐ، حضرت عمرؓ کو اُن کی بہادری اور سچّائی کی وجہ سے بہت پسند کرتے تھے۔ رسُول کریمؐ نے آپؓ کو "فاروق" کا لقب عطا فرمایا۔

حضرت عمرؓ شروع میں اِسلام کے سخت مخالف تھے۔ ایک دن آپؓ نے رسولِ کریمؐ کو شہید کرنے کا ارادہ کر لیا۔ تلوار لے کر نکلے تو راستے میں معلوم ہُوا کہ خُود اُن کی بہن اور بہنوئی اِسلام لا چُکے ہیں۔ وہیں سے اُن کے دروازے پر پہنچے۔ اندر سے قرآنِ مجید پڑھنے کی آواز آ رہی تھی۔ حضرت عُمرؓ کو پہلے تو اُن پر بہت غُصّہ آیا اور اُن پر برس پڑے۔ جب غصّہ دُور ہُوا تو کہنے لگے "تُم لوگ کیا پڑھ رہے تھے؟ لاؤ میں بھی تو سُنوں"۔ جب قرآن مجید کی چند آیتیں سُنیں تو اُن کے دل پر بڑا اثر ہُوا۔ وہیں سے اُٹھے اور رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔

مکّے میں ابھی کافروں کا بہت زور تھا۔ حضرت عمرؓ کے ایمان لانے سے پہلے مُسلمان چُھپ کر نماز پڑھتے تھے، لیکن اب وُہ کُھلّم کُھلّا نماز ادا کرنے لگے۔ آپؐ حضرت عُمرؓ کے ایمان لانے پر بہت خوش ہُوئے۔

حضرت عُمر فاروقؓ نے آنحضرتؐ کے ساتھ کئی جنگوں میں حِصّہ لیا۔

حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد آپؓ مسلمانوں کے خلیفہ مقرّر ہُوئے۔

آپؓ کے دَور میں اسلام کو بہت فروغ حاصل ہوُا۔ شام، مصر، ایران کے علاقے فتح ہوُئے۔ آپؓ نے اپنی سلطنت کا بہت اچھّا اِنتظام کیا۔ آپؓ ہمیشہ نیک دِل، ایمان دار اور قابل صحابہ کو گورنر مقرّر کرتے۔ آپؓ نے آب پاشی کے لیے نہریں کھُدوائیں۔ مسافروں کے آرام کے لیے مسافر خانے بنوائے۔ آپؓ ہر ایک سے پُورا پُورا انصاف کرتے تھے خواہ وُہ مسلمان ہو یا غیر مُسلم۔

آپؓ کو رعایا کی خُوش حالی اور حفاظت کا بہت خیال تھا۔ آپؓ رات کو بھیس بدل کر گلی کوچوں میں چکرّ لگاتے تاکہ معلوم کر سکیں کہ کِسی کو کوئی تکلیف تو نہیں۔ اگر کسی کو کوئی جائز شکایت ہوتی تو اُسے فوراً دُور کر دیتے۔ آپؓ روزانہ فجر کی نماز کے بعد مسجد کے صحن میں بیٹھ جاتے اور لوگوں کی شکایات سُنتے۔

آپؓ کی خلافت کے دسویں سال ایک حبشی غلام نے آپؓ کو خنجر مار کر زخمی کر دیا جِس سے آپؓ تریسٹھ سال کی عُمر میں وفات پا گئے۔

حضرت عُثمان رضی اللہ عنہٗ

حضرت عُثمانؓ قریش قبیلہ کے ایک مُمتاز تاجر تھے۔ حضرت مُحمّد صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے دعوتِ اِسلام دی تو آپؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اُس وقت آپؓ کی عُمر چونتیس سال کی تھی۔

حضرت عثمانؓ، حضور نبی کریمؐ سے بہت محبت کرتے تھے۔ آنحضرؐت بھی حضرت عثمانؓ کو بہُت چاہتے تھے۔ یکے بعد دیگرے آنحضرؐت کی دو صاحبزادیوں سے آپؓ کا نکاح ہوُا۔ حضرت عثمانؓ نے جنگِ بدر کے سِوا باقی تمام جنگوں میں آنحضرؐت کے شانہ بشانہ حِصّہ لیا۔

آپؓ کو حضرت عمرؓ کے بعد خلیفہ چنا گیا۔ آپؓ کے زمانے میں بہت سے علاقے فتح ہوُئے اور مُسلمانوں کی حکومت دُور دُور تک پھیل گئی۔

آپؓ نے اپنی رعایا کی بہتری کے لیے بڑے اچھے اچھے کام کیے۔ کئی پُل، سڑکیں اور مسافر خانے بنوائے۔ آپؓ نے پینے کا پانی حاصل کرنے کے لیے کنُوئیں بھی کھدوائے تاکہ لوگوں کو پانی آسانی سے مل سکے۔ آپؓ نے مسجدِ نبوی کو نئے سرے سے بنوایا اور اُسے کھُلا بھی کر دیا تاکہ زیادہ سے زیادہ نمازی، نماز با جماعت ادا کر سکیں۔ آپؓ کی سب سے بڑی خدمت قرآنِ پاک کی اشاعت ہے۔ آپؓ نے قرآنِ کریم کی صحیح نقلیں تیار کروائیں اور اُن کو اِسلامی سلطنت کے تمام علاقوں میں بھیج دیا اور اِس طرح خُدا کے کلام کو دُنیا میں پھیلایا۔

آپؓ بہت نیک اور نرم دل انسان تھے۔ آپؓ بہت سخی تھے۔ آپؓ کے پاس جو کچھ ہوتا خُدا کی راہ میں دے دیتے۔ اِسی واسطے آپؓ "عثمانِ غنیؓ" کے نام سے مشہُور ہیں۔ آپؓ کئی غریبوں اور یتیموں کی پرورش اپنی جیب سے کرتے تھے۔ قرآنِ پاک سے آپؓ کو بہُت محبّت تھی۔ آپؓ کو جب بھی وقت مِلتا، آپؓ قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے۔

آپؓ کی نرمی سے کچھ شرارت پسند لوگ ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے۔ جب آپؓ نے ان کو ایسا کرنے سے روکا تو کچھ شرپسند آپؓ کے مکان میں داخل ہو گئے اور آپؓ کو شہید کر دیا۔ اُس وقت آپؓ کی عمر بیاسی سال تھی۔

حضرت علی علیہ السّلام

حضرت علیؑ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وَآلِہٖ وسلّم کے چچا حضرت ابوطالب کے بیٹے تھے ۔ آپؑ نے حضور نبی کریم صلیّ اللہ علیہ وآلِہٖ وسلّم کی نگرانی میں پرورش پائی ۔ نبی کریمؐ کو آپؑ سے بہت محبّت تھی۔

بچوّں میں آپؑ سب سے پہلے ایمان لائے ۔ آپؑ بہت بہادر تھے ۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلِہٖ وسلّم کے زمانے میں آپؑ نے تمام جنگوں میں حِصّہ لیا اور اُن میں بڑی بہادری کے کارنامے دکھائے۔ قلعہ خیبر بھی آپؑ ہی نے فتح کیا ۔ آپؑ کی بہادری کی وجہ سے رسولِ کریم صلیّ اللہ علیہ وآلِہٖ وسلّم نے آپؑ کو " اسدُ اللہ" کا خطاب دیا تھا، اس کے معنی ہیں " خُدا کا شیر"۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلِہٖ وسلّم نے اپنی پیاری صاحب زادی حضرت فاطمہؑ کی شادی آپؑ سے کی، حضرت امام حسنؑ اورحضرت امام حسینؑ، آپؑ کے صاحب زادے تھے ۔ حضرت علیؑ دین اور دُنیا دونوں سے خُوب آگاہ تھے ۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد آپؑ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ چُنے گئے ۔ آپؑ کے عہد میں مُسلمانوں کے درمیان کچُھ اختلافات پیداہو گئے ۔ آپؑ نے بہت کوشش کی کِہ مُسلمان آپس کے لڑائی جھگڑے ختم کردیں اور ایک دُوسرے کے بھائی بھائی بن جائیں ۔ لیکن اکثر شرارت پسندوں نے آپؑ کی بات نہ مانی اور آپس میں لڑتے رہے ۔

آپؓ بہت دلیر اور بہادر تھے۔ آپؓ کو علم و فضل میں بھی کمال حاصل تھا۔

آپؓ بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے، آپؓ کے در سے کوئی سوالی خالی ہاتھ نہ جاتا تھا گو خود کئی کئی دن فاقے میں گزار دیتے۔

حضرت علیؓ ایک صُبح، کوفے کی جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کِہ ایک دُشمن نے آپؓ پر خنجر سے حملہ کر دیا۔ دُشمن کے اس وار سے آپؓ شدید زخمی ہو گئے اور اکیّس رمضان المبارک کو آپؓ نے شہادت پائی۔

قائدِ اعظم محمّد علی جناحؒ

ہمارے محبوب قائداعظم محمد علی جناحؒ ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ اس روز سارے مُلک میں عام چھٹی ہوتی ہے اور جگہ جگہ قائدِ اعظمؒ کی یاد میں جلسے کیے جاتے ہیں۔

آپ نے دسویں جماعت تک تعلیم کراچی ہی میں حاصل کی۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلستان چلے گئے جہاں آپ نے وکالت کا اعلیٰ امتحان پاس کیا۔ آپ اپنی محنت کی وجہ سے بہت جلد مشہور ہو گئے اور وکالت میں بڑا نام پیدا کیا۔ اُن دنوں برصغیرپاک و ہند پر انگریزوں کی حکومت تھی۔ انگریزوں کا سلوک مُسلمانوں سے بہت خراب تھا، اِس لیے مُسلمانوں کے لیے اچھّی اور اعلیٰ ملازمتیں حاصل کرنا ناممکن تھا۔

قائدِ اعظمؒ کی یہ خواہش تھی کہ مُسلمان آزاد ہوجائیں۔ اِس مقصد کے لیے آپ نے مُسلمانوں کو مُتحّد کیا اور اُن کے آپس کے جھگڑے ختم کرا دیے۔ آپ مُسلمانوں کی جماعت مُسلم لیگ میں شامل ہو گئے، مسلمانوں نے آپ کو اس جماعت کا صدر چُن لیا۔ مُسلم لیگ نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں ایک جلسہ کیا۔ اِس جلسے کی صدارت قائدِ اعظم محمّد علی جناحؒ ہی نے کی۔ اس جلسے میں فیصلہ کیا گیا کہ برِّصغیر کے جن صوبوں میں مُسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے، وہاں مسلمانوں کی حکومت ہوگی اور اِس مُلک کا نام پاکستان ہوگا۔ جہاں جلسہ ہُوا تھا وہاں ایک یادگار

قائم کی گئی ہے جِسے مینارِ پاکستان کہتے ہیں۔

قائدِ اعظمؒ نے مُسلمانوں کو آزادی دلانے کے لیے دن رات کام کیا اور آخر اللہ تعالیٰ نے آپ کی محنت کو قبول فرما لیا اور ہم اُن کی کوششوں سے ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کو آزاد ہو گئے۔

ہم ہر سال ۱۴۔ اگست کو یومِ آزادی مناتے ہیں۔ اس دن سارے مُلک میں عام چھُٹی ہوتی ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن اس دن کی اہمیّت سے متعلق خاص پروگرام نشر کرتے ہیں۔ اس دن صُبح کے وقت تمام صوبائی دارالحکومتوں میں اکیس اکیس اور پاکستان کے دارالحکومت اِسلام آباد میں اکتیس توپوں کی سلامی دی جاتی ہے۔ فوج کی پریڈ ہوتی ہے اور پاکستان کے جھنڈے کو سلامی دی جاتی ہے۔ دفتروں اور گھروں کے اُوپر پاکستان کا پرچم لہرایا جاتا ہے۔ رات کو آزادی کی خُوشی میں چراغاں کیا جاتا ہے۔

قائدِ اعظمؒ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے۔ آپ نے پاکستان کی بہتری کے لیے دن رات کام کیا جس کے باعث آپ کی صحت بہت خراب ہو گئی۔ ڈاکٹروں نے آپ کو آرام کرنے کا مشورہ دیا مگر آپ نے اپنے وطن کی خاطر ایک منٹ بھی آرام کرنا مناسب نہ سمجھا۔ آخر کار صحت کی خرابی کے باعث قائدِ اعظمؒ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو وفات پا گئے۔

پاکستان کے لوگوں کو آپ سے بہت پیار ہے۔ آپ کی موت سے ہر چھوٹے بڑے کو بہت افسوس ہُوا۔ آپ کو کراچی میں دفن کیا گیا۔ وہاں ایک شاندار مقبرہ تعمیر کیا گیا ہے۔ لوگ آپ کے مزار پر جاتے ہیں، وہاں دُعا مانگتے ہیں اور پھُول چڑھاتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد اقبالؒ

ڈاکٹر محمّد اقبالؒ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اُس روز مُلک میں عام چھٹّی ہوتی ہے اور جگہ جگہ اقبالؒ کی یاد میں جلسے کیے جاتے ہیں۔ اخبار اور رسالے بھی خاص نمبر شائع کرتے ہیں۔

اقبالؒ کے ماں باپ نے آپ کی تربیت بہت اچھے طریقے سے کی اور آپ کو دین کی اچھی اچھی باتیں بتائیں۔ اقبالؒ نے ایف۔ اے تک تعلیم سیالکوٹ میں حاصل کی۔ اس کے بعد آپ لاہور آگئے اور گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم۔ اے پاس کیا اور بعد میں انگلستان چلے گئے، جہاں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن واپس آئے۔

ان دِنوں برِصغیر پاک و ہند پر انگریزوں کی حکومت تھی۔ انگریزوں کا سلوک مُسلمانوں سے اچھا نہیں تھا۔ اقبالؒ چاہتے تھے کہ مُسلمان، انگریزوں سے آزادی حاصل کرکے علیحدہ مُلک بنائیں اور اسلامی قانون نافذ کرکے دُنیا میں ترقّی کریں۔ اُنھوں نے ایسی نظمیں لکھّیں جنھوں نے مُسلمانوں کے اندر آزادی کا جذبہ پیدا کر دیا۔

ڈاکٹر اقبالؒ ہمارے قومی شاعر ہیں۔ ہم اُن کو بہت عزّت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ آپ نے بہت ساری کتابیں لِکھی ہیں جنھیں لوگ بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔

آپ نے بچّوں کے لیے بھی آسان آسان نظمیں لکھّی ہیں جو ہم اپنی کتابوں میں پڑھتے ہیں اور اُن کی نصیحتوں پر عمل کرکے اچھے مُسلمان بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ نے ۲۱/ اپریل ۱۹۳۸ء کو وفات پائی۔ آپ کو لاہور میں شاہی مسجد کے بڑے دروازے کے بائیں جانب دفن کیا گیا۔

میجر عزیز بھٹیؒ

میجر عزیز بھٹیؒ ضلع گجرات کے ایک گاؤں میں پیدا ہُوئے ۔ آپ بچپن ہی سے بہت ہوشیار تھے اور پڑھائی کی طرف بہت زیادہ توجّہ دیتے تھے۔ میجر صاحب نے ابتدائی تعلیم گجرات ہی میں حاصل کی۔

آپ کو فوج میں باقاعدہ کمیشن مِل گیا اور کاکول اکیڈمی میں تربیت حاصل کرنے کے لیے چلے گئے۔ وہاں آپ نے نہایت محنت اور تندہی سے کام کیا اور امتحان پاس کرنے پر آپ کو 'اعزازی تلوار' مِلی۔ یہ تلوار اُس آدمی کو ملتی ہے جو اکیڈمی میں تربیّت کے دوران سب سے زیادہ لائق اور اچھّا ثابت ہو۔ اِس سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ آپ کو فوجی تربیّت حاصل کرنے کا کِتنا شوق تھا۔

بھارت شروع ہی سے پاکستان کا دُشمن رہا ہے اور ہمارے پیارے مُلک کو نقصان پہنچانے کے موقعے کی تلاش میں رہتا ہے۔

۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت نے جنگ کا اعلان کیے بغیر لاہور پر حملہ کر دیا، لیکن ہماری بہادُر فوج مُقابلے کے لیے ڈٹ گئی۔ میجر عزیز بھٹی مُٹھی بھر نوجوانوں کے ساتھ دُشمن کی بہُت بڑی فوج کے سامنے ایک دیوار کی طرح کھڑے ہو گئے۔

ایک صحیح جاں باز افسر کی طرح وُہ اپنی فوج کے آگے آگے رہے۔ کئی دنوں تک نہ سوئے، نہ کُچھ کھایا پیا اور آخر کار اپنے فرض کو پُورا کرنے میں اُنھوں نے اپنی جان خُوشی سے قربان کر دی۔

آپ کی اِس بے مثال بہادُری اور جاں نثاری پر آپ کو "نشانِ حیدر" عطا کیا گیا۔ یہ نشان ہمارے مُلک کا سب سے بڑا فوجی اعزاز ہے۔

جملہ حقوق بحق پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ۔ لاہور محفوظ ہیں

تیارکردہ : پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ۔ لاہور
منظورکردہ : حکومتِ پنجاب (محکمۂ تعلیم) لاہور
بمطابق مراسلہ نمبر S.O.(C) 10-1/72 مورخہ 23.5.1974

Muhammad Ishaq Jalalpari
Assistant Educational Adviser
Ministry of Education
Government of Pakistan
Islamabad

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد — کِشورِ حَسین شاد باد
تُو نشانِ عزمِ عالیشان — ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نِظام — قوّتِ اُخوّتِ عوام
قوم ، مُلک ، سلطنت — پایندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد

پرچمِ ستارہ و ہلال — رہبرِ ترقّی و کمال
ترجمانِ ماضی، شانِ حال — جانِ اِستقبال
سایۂ خُدائے ذُوالجلال

24491

CODE NO:- G-43 SERIAL NO:-

تاریخِ اشاعت	ایڈیشن	تعدادِ اشاعت	قیمت
مارچ 1976	اوّل	1,25,000	2·50